ستمبر
2023ء

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ (القرآن:54)

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جھنگ

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

قرآن اکیڈمی جھنگ

جلد : 17 | وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران) | صفر : 1445ھ

شمارہ : 09 | اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ۲۷ سورۃ القمر) | ستمبر : 2023ء

ISSN : 2305-6231

ماھنامہ

حِکمتِ بالغہ

جھنگ

بانی مدیر : انجینئر مختار فاروقیؒ

مدیر مسئول : انجینئر عبد اللہ اسماعیل

مشاورت
- ڈاکٹر طالب حسین سیال
- حاجی محمد منظور انور
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- عبداللہ ابراہیم

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

انتظامی امور: ملک نذر حسین

قانونی مشاورت
- محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ
- چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

سالانہ زرِتعاون: اندرونِ ملک 700 روپے

معمول کا شمارہ: 70 روپے

اہلِ ثروت حضرات سے خصوصی زرِتعاون پچیس ہزار روپے یکمشت

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

Web site:
www.hamditabligh.net

Email:
hikmatbaalgha1@yahoo.com

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-0336-6778561

انجینئر مختار فاروقی

طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		6
حرفِ آرزو	3	انجینئر عبداللہ اسماعیل	7
قرآن کریم کا ترجمہ ومختصر تشریح	4	انجینئر مختار فاروقیؒ	9
جیسے تمہارے اعمال، ویسے تمہارے عمال	5	حافظ عطاء الرحمٰن	16
سائنس اور مذہب میں مقاربت ومغایرت (10)	6	انجینئر فیضان حسن	23
قصۂ قدیم وجدید (3)	7	ڈاکٹر محمد رشید ارشد	35
دنیا تباہی کے دھانے پر	8	مولانا محمد انور چیمہ	47
......سودی نظام کے شکنجے کو توڑنے کی ضرورت	9	محمد منظور انور	53
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ ﷺ است	10	عبداللہ ابراہیم	60

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

(نوٹ) یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا

اردو ترجمہ : فتح محمد خان جالندھری

انگریزی ترجمہ : ڈاکٹر عبدالسمیع حفظہ اللہ

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

(02)	اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ	آیات
سورۃ البقرۃ	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	248-246

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد

Haven't you thought about leaders of sons of Israel, after Moses,

اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں

When they said to one of their prophets : "(If you) appoint for us a king We shall fight in the cause of Allah (in his command)."

قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا

پیغمبر نے کہا اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو

The prophet replied, "Is there a possibility that you refuse to fight if you are asked to?"

قَالُوۡا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے

They said, "What's wrong with us that we don't fight,

وَ قَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَ اَبۡنَآئِنَا

جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے

While we (made captives) have been driven away,
from our homes and children."

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ

لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے

But! When they were commanded to fight,
All, Except a few of them, declined.

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے

And Allah knows such transgressors.

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا

اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے

And their prophet said to them:
"Indeed Allah has appointed Talut as your king."

قَالُوۡٓا اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا

وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کرنے کا حق کیونکر ہو سکتا ہے

They replied, "How can he be, a ruler over us?

وَنَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ

بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں ہے

While we deserve more than him to rule.
Besides, he has never been well to do."

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ

پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) منتخب فرمایا ہے

اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے)

The prophet replied, "Indeed Allah has chosen him to rule
And He has blessed him: with more knowledge and stature.

وَ اللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

اور اللہ (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے وہ بڑا کشائش والا (اور) دانا ہے

And Allah gives power to whomever He wills.
And Allah is All-Embracing, Knowing."

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ

اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے

And their prophet (further) told them:
"Indeed the sign of his kingship is:

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی

That there will come to you: the box: Which
contains a source of contentment, from your Lord;

وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰؑ اور ہارونؑ چھوڑ گئے تھے جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے

And remains of what the family of Moses and family of Haroon
(Aron) left behind. It would be carried by the angels.

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے ایک بڑی نشانی ہے

Certainly there is: indeed a sign for you,
in that, If you are to believe

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

سَبۡعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِی ظِلِّهٖ یَوۡمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ:

سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں اُس دن جگہ دے گا

جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا

اَلۡاِمَامُ الۡعَادِلُ، وَ شَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللّٰهِ،

(۱) عدل کرنے والا حکمران، (۲) وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشو ونما پائی

وَ رَجُلٌ قَلۡبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الۡمَسَاجِدِ

(۳) وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہو

وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجۡتَمَعَا عَلَیۡهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَیۡهِ،

(۴) وہ دو آدمی جنھوں نے اللہ کی خاطر آپس میں محبت کی،

اسی کی خاطر وہ جمع ہوئے اور جدا ہوئے

وَرَجُلٌ دَعَتۡهُ امۡرَأَةٌ ذَاتُ مَنۡصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: اِنِّیۡ أَخَافُ اللّٰهَ،

(۵) اور وہ آدمی جسے کسی باحیثیت اور خوبصورت عورت نے (برائی کی طرف) بلایا

تو اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں

وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخۡفَاهَا حَتّٰی لَا تَعۡلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنۡفِقُ یَمِیۡنُهٗ

(۶) اور وہ آدمی جس نے اتنا چھپا کر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہوا

کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے

وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتۡ عَیۡنَاهُ

(۷) اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے

(متفق علیہ، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

حرفِ آرزُو

انجینئر عبد اللہ اسماعیل

پاکستان کے بارے میں اہلِ علم اور اصحابِ حل وعقد کی ایک قلیل تعداد تو اب بھی مستقبل میں اسلام کے احیاء کے حوالے سے پاکستان کے اہم کردار کی قائل ہے مگر اکثریّت کا خیال ہے کہ اب یہ قوم تباہی کے دہانے پر ہے اور اللہ کا عذاب اس ملک کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارے لیے سب سے بڑی مددگار طاقت تمام جہانوں کے مالک کی تھی ـــــ مگر ہم نے اس سے کیے گئے وعدوں سے منہ موڑا، اس کی دی ہوئی نعمت پاکستان کی ناشکری کی اور اس پر بس نہیں کیا بلکہ اسی سے دشمنی مول لے کر اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر بیٹھے اور اب ہمارا حال یہ ہے کہ اقوامِ عالم ہمیں مسلمان سمجھ کر مار رہی ہیں اور ربّ العالمین کی نظرِ رحمت ہماری وعدہ خلافیوں، خیانت اور اعلانِ جنگ کے سبب ہم سے منہ موڑے ہوئے ہے۔ ہم دنیا اور آخرت دونوں کے لحاظ سے ایک ناکام قوم ثابت ہوئے ہیں۔ نہ ہم میں دنیاوی طور پر دنیا میں ترقی کے طور طریقے موجود ہیں جن کے سبب اس عالم اسباب میں ہم سے بعد میں آزاد ہونے والی قومیں ہم سے آگے نکل گئیں اور نہ ہم میں دینی اعتبار سے وہ ایمان اور یقین کی طاقت ہے کہ جس کے بل پر پڑوسی ملک سے تین عالمی طاقتیں دم دبا کر بھاگ کھڑی ہوئیں ـــــ اور ہم ان دونوں انتہاؤں کے درمیان منافقوں کی طرح ﴿مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ﴾ ہوئے پھر رہے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ نحل کی آیات 112-113 میں ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو بڑے امن اور اطمینان سے گزر بسر کرتی تھی اور اس کی معاشی حالت بھی بہت خوشگوار تھی پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اس بستی پر ان کی حرکتوں کی وجہ سے خوف اور بھوک کا عذاب مسلّط کر دیا۔ اس عذاب کو بھیجنے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی جلدی نہیں کی تھی بلکہ اس قوم کے سمجھانے کے لیے انہی میں سے رسول بھی ان کی طرف بھیجے، لیکن اس قوم نے رسول کی بھی تکذیب کر دی تو عذاب نے ان کو ان کی ظالمانہ حرکتوں کی وجہ پکڑ لیا۔

یہ مثال مسلمانانِ پاکستان کے حالات پر بھی صادق آتی ہے۔ ہم اس وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری میں بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔ اس ملک کا معجزانہ قیام، اس ملک کا محل وقوع اور اس ملک کی زرخیز زمین اور اس کا نہری نظام، معدنیات، آب و ہوا اور حاشیہ خیال تک میں نہ آنے والی نعمتیں ہیں ___ لیکن ہم نے کسی نعمت کی قدر نہیں کی۔

کسی قوم کے عذاب کے اتنے قریب ہو جانے کے باوجود ___ عذاب سے بچ جانے کی بھی ایک مثال قرآن مجید میں موجود ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ O (یونس:98)

’’کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایسے وقت ایمان لے آتی کہ اس کا ایمان اسے فائدہ پہنچا سکتا؟ البتہ صرف یونس علیہ السلام کی قوم ایسی تھی کہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیاوی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے اُٹھا دیا اور ہم نے اُن کو ایک مدت تک فائدہ اٹھانے دیا‘‘۔

کاش کہ ہم اپنی خطاؤں پر معافی کے طلبگار ہوں اور ان نعمتوں کے شکر کی طرف پلٹ آئیں۔ ان نعمتوں کو پہچانیں، ان کے منعم کو پہچانیں اور پھر اس کا شکر ادا کرنے میں لگ جائیں یعنی ان نعمتوں کو اُس کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا شروع کر دیں اور اس طرح ہم دنیا کی رسوائی سے بھی بچ جائیں، احیائے اسلام میں اپنا کردار ادا کر سکیں اور آخرت میں بھی اللہ کی رحمت پا کر سرخرو ہوں۔ آمین

دورۂ ترجمۃ القرآن

قرآن کریم کا ترجمہ و مختصر تشریح

مدرس: انجینئر مختار فاروقیؒ

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ

آیات 261 تا 264

آ گے دو رکوعوں میں دوبارہ اِنفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ ہے۔ اِنفاق کا لفظ قرآن مجید میں بار بار آتا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ اور اللہ کے راستے میں جو خرچ کیا جاتا ہے اس کی دو بڑی بڑی مَدّیں (Heads) ہیں یعنی دو واضح تقسیمیں اور بڑے بڑے دو کھاتے ہیں ایک یہ ہے کہ خدمت خلق کے لیے اور بنی نوعِ انسان پر پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ جیسے آیت البر میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر، ضرورت مندوں پر، حاجت مندوں پر مثلاً کسی کو کوئی تکلیف یا مرض ہے اس کی دوا دارو پر یا کسی طالب علم کے پاس کتابیں نہیں ہیں اس پر خرچ کرنا۔ اس کے لیے قرآن مجید میں اِیْتَـــاء کا لفظ آتا ہے یعنی مال دینا، مال خرچ کرنا، یتیموں کو اور مسکینوں کو کھانا کھلانا اور زکوٰۃ بھی اسی مد میں آتی ہے۔ یہ ایک کھاتہ ہے اور جو شخص اس میں خرچ کر رہا ہے وہ اللہ کے پاس یقیناً بہت اچھا اجر پائے گا۔ خرچ کرنے کا دوسرا کھاتہ (Head) اِنفاق فی سبیل اللہ ہے یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔ یہ اسی طریقے پر ہے جیسے جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں جہاد) یعنی دین کے غلبے کے لیے، دین کو پھیلانے کے لیے، دین کی نشر و اشاعت کے لیے مال خرچ کرنا۔ اس کے لیے بھی وسائل درکار ہیں اور اس میں بھی پیسہ لگے گا اور صاف ظاہر ہے کہ لوگوں کا ہی لگے گا، آسمان سے تو نہیں آئے

گا۔اس راستے میں جو پیسہ خرچ ہوگا اس پر آدمی اس وقت تک آمادہ نہیں ہوتا جب تک ایمان کی قوت نہ ہو۔غریبوں، یتیموں پر خرچ کرنا ہوتو دکھاوے کے لیے بھی آدمی آمادہ ہوجاتا ہے، ووٹ لینے کے لیے بھی آمادہ ہوجاتا ہے کہ اگلے الیکشن میں یہی لوگ ووٹ دیں گے ان کو کھلاؤ پلاؤ یا ان سے کچھ واہ واہ کرانی مقصود ہو۔اگر خالصتاً اللہ کے لیے نہ بھی دے رہا ہو تو چلو لوگ تعریف تو کریں گے کہ بڑا سخی آدمی ہے حاتم طائی ہے اس لیے بھی آدمی آمادہ ہوجاتا ہے۔یعنی اس میں ریا کا پہلو بھی ہوسکتا ہے لیکن جو دین کی نشر واشاعت کے لیے اور اللہ کے دین کے غلبے کے لیے خرچ کرنا ہے وہ چونکہ بغیر ایمان کے نہیں ہوسکتا، ایمان ہوگا تو آدمی آمادہ ہوگا لہٰذا اس کے لیے خاص طور پر قرآن مجید میں یہاں ترغیب اور تشویق دلائی جارہی ہے۔اور جو پیسہ اللہ کے دین کے غلبے کے لیے لگے گا قرآن مجید میں اس کو اللہ تعالیٰ اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ اس کی اتنی قدر افزائی فرماتا ہے کہ وہ پیسہ تو میرے ذمے قرض ہے میں وہ پیسہ بھی بڑھا چڑھا کر واپس کروں گا اور مزید نعمتیں بھی تمہیں عطا کروں گا۔قرآن مجید میں آتا ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے۔اب اس میں تشویق و ترغیب ہے کہ اللہ قرض مانگ رہا ہے دینا چاہیے۔ہم میں سے کتنے ہی لوگ ہوتے ہیں کہ اگر کوئی دوست کسی دن قرض مانگنے کے لیے آجائے اور اپنے پاس کبھی نہ ہو تو آدمی کسی سے لے کر بھی دے دیتا ہے کہ دوست آگیا ہے اس کو واپس نہیں موڑنا چاہیے اس کا کام تو کسی طریقے پر ہو ہی جائے۔اللہ تعالیٰ کا اس سے زیادہ حق بنتا ہے تو اللہ قرض مانگ رہا ہے۔یہ قرض اس فی سبیل اللہ کی مد میں ہے یعنی جہاد فی سبیل اللہ، قتال فی سبیل اللہ اور دین کے غلبے اور دین کی نشر واشاعت کے لیے۔اور آج جو صورت حال ہے کہ دین کا غلبہ نہیں ہے لہٰذا اس کے جو بھی مراحل ہوں گے جو بھی کوشش کی جارہی ہوگی وہ ابتدائی درجے میں ہو یا آخری درجے میں، اس کے لیے جو بھی پیسہ لگے گا وہ اسی کھاتے میں آئے گا۔جنگ بدر میں بھی یہی صورت حال تھی کہ اسلام غالب نہیں تھا اللہ کا دین غالب نہیں تھا اور آج بھی وہی صورت حال ہے۔لہٰذا یہ دو رکوع بہت غور سے پڑھنے کے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے اموال اللہ کے راستے میں

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ ایسے ہے جیسے ایک دانہ ہو اس میں سے سات بالیاں نکلیں

فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں

تو گویا کہ ایک دانے سے سات سو دانے ہو گئے۔ اسی طرح جو اللہ کے راستے میں پیسہ خرچ کیا جاتا ہے اس کے تمہیں ایک کے سات سو ملیں گے یعنی وہ مال اللہ کے ہاں بڑھتا ہی رہے گا اس میں بڑھوتری ہی ہوتی رہے گی۔ بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ اللہ کے راستے میں جو خرچ ہو گیا وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا، اور جو بینک میں جمع کرایا تھا اس پر سود در سود لگ کے چند سالوں میں دگنا ہو رہا ہے اور جو اللہ کے لیے خرچ کر لیا اس پر تو کچھ بھی نہیں مل رہا لیکن اللہ فرما رہا ہے کہ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے ایک بیج زمین میں ڈالو اس میں سے سات خوشے نکلتے ہیں سات بالیاں نکلتی ہیں ہر بالی میں سو سو دانے ہیں گویا کہ ایک دانے کے سات سو ہو گئے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ کیے ہوئے ایک روپے کو تمہیں سات سو گنا کر کے دے گا۔ یہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ یہ تو سمجھانے کے لیے مثال دی ہے، اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں کہ سات سو ہی دینا ہے سات سو ایک گنا نہیں دے سکتا

وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر دے گا جس کو چاہے گا

وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس نے کتنے روپے دیے ہیں، بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس نے کتنے میں سے کتنا دیا ہے۔ اگر کسی آدمی کے پاس دس روپے ہیں اور اس نے اس میں سے پانچ روپے دے دیے اور کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ ہے اور اس نے اس میں سے صرف ایک لاکھ روپیہ دیا ہے تو اللہ کے ہاں وہ پانچ روپے اس ایک لاکھ سے زیادہ وقعت رکھتے ہیں اس لیے کہ اس نے دس میں سے پانچ یعنی آدھا دے دیا اور جس کے پاس ایک کروڑ ہے وہ پچاس لاکھ دیتا تو آدھا شمار ہوتا، اس نے کروڑ میں سے ایک لاکھ دیا ہے جو 1/100 حصہ ہے۔ تو آدھا زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کے

راستے میں

یہ جو پیسہ اللہ کے راستے میں خرچ ہو رہا ہے صاف ظاہر ہے وہ انسانوں کے ذریعے ہی خرچ ہوگا اور انسانوں پر ہی خرچ ہوگا، کوئی غیر مرئی چیزوں پر تو خرچ نہیں ہوگا۔ اللہ کے راستے میں جیسے اب ابتدائی مراحل ہیں اس میں کچھ لوگ محنت اور کوشش کر رہے ہیں۔ ہر جدوجہد میں کچھ لوگ ہمہ وقت مصروف ہوتے ہیں۔ جیسے آج کل کا دور ہے اس میں ہر بندہ اگر اپنے دھندے میں لگا رہے تو دین کے کام لیے مردانِ کار کہاں سے آئیں گے؟ اس کے لیے جب تک ہمہ وقت قسم کے لوگ فراہم نہ ہوں تو پہیہ آگے نہیں چل سکتا، ریڑھ کی ہڈی تو کچھ لوگ ہونے چاہیں۔ ٹھیک ہے کچھ لوگ اپنے اپنے کاروبار سے وقت نکال کر جز وقتی بھی آئیں گے لیکن کچھ نہ کچھ ہمہ وقتی بھی ہوں گے تو کام چلے گا۔ اب ایسے لوگوں کی خدمت بھی اسی کھاتے میں سے ہوگی۔ تو یہاں یہ بات کہی جارہی ہے کہ فی سبیل اللہ جو پیسہ خرچ ہوگا اس کے بعد اس پیسے کو جتانا نہیں ہے۔ ایک ہے کسی فقیر کو پیسہ دینا وہ فقیر تو گلے پڑ جائے بلکہ مجھے یاد ہے جب میں کراچی میں تھا ہمارا ایک ڈرائیور تھا اس نے بڑی اچھی بات کہی، جب بھی موقع آتا ہے مجھے یاد آجاتی ہے۔ ایک دفعہ ہم گاڑی پر جارہے تھے تو ایک چوک پر رُکے تو ایک فقیر آ گیا اور اس نے ہم سے مانگا، ہم نے سوچا کہ یہ مانگنے والے بھکاری ہیں اس کو کیا دینا ہے لیکن وہ پیچھے ہی پڑ گیا بالآخر اس ڈرائیور نے ایک روپیہ دے دیا اور اس سے جان چھڑائی۔ ساتھ ہی اس نے جو تبصرہ کیا وہ یہ تھا کہ جتنا پیچھے پڑ کے یہ مانگ کر لے رہا ہے کاش کہ ہم اللہ سے اتنا مانگیں تو اللہ ہمیں دے دے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں رد نہیں کرے گا جیسے ہم نے بالآخر اس کو دے ہی دیا ہے تو اللہ سے اگر اتنا مانگیں اور مانگتے رہیں مانگتے رہیں یہاں تک کہ ہمیں مل جائے تو واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو دینے والا ہے۔ اسی طریقے پر تو فقیر کو جو ہم دیتے ہیں تو وہ اپنی محنت وصول کرتا ہے وہ پیچھے لگا رہتا ہے یہاں تک کہ آپ جان چھڑانے کے لیے اس کو دے دیتے ہیں لیکن جو پیسہ فی سبیل اللہ خرچ ہوگا وہ اس طریقے پر نہیں ہے وہ تو ایسا ہے کہ اگر آپ کسی کو دیں اور وہ آپ کا پیسہ قبول کر لے تو آپ اُس کا احسان سمجھیں کہ اس نے میری طرف سے قبول کر کے مجھ پر احسان کیا ہے۔

اللہ نے فرمایا: وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں

ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا — پھر اس کے پیچھے جو انہوں نے خرچ کیا ہے

مَنًّا وَّ لَآ اَذًى — احسان بھی نہیں رکھتے اور ستاتے بھی نہیں ہیں

یہ دو کام اس خرچ کرنے کے بعد نہیں کرتے۔ نہ احسان جتاتے ہیں کہ ہم نے تو تم پر احسان کیا ہے نہ تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی زبان سے تو نہیں کہہ رہے لیکن ویسے حالات ایسے پیدا کر رہے ہیں کہ وہ احسان ظاہر ہو جائے۔

لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ — ان کے لیے اللہ کے ہاں ان کا اجر ہے

وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ — اور نہ ان کے لیے کوئی خوف ہوگا اور نہ ان کو کوئی غمگینی ہوگی

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ — بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کرنا

اگر کسی آدمی کے پاس خرچ کرنے کے لیے نہ ہو تو اس وقت بھی بھلی بات کہہ دینا نرم بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اس سے معافی مانگ لینا۔ یہ جو ہم فقیر کو کہتے ہیں: بھئی معاف کرو، وہ گویا قرآن مجید کے ان الفاظ کی ترجمانی ہوتی ہے۔

خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى — یہ بہتر ہے اس صدقے سے جس کے بعد تکلیف دینا ہو

کہ پیسہ دے تو دیا لیکن بعد میں احسان جتلا رہے ہیں تکلیفیں دے رہے ہیں۔ کوئی آدمی کسی خرچ کرنے والے سے اختلافِ رائے کر بیٹھتا ہے تو وہ اس کو بھری محفل میں ٹوک دے کہ تم تو ہمارے پیسے سے پل رہے ہو اور آج ہمارے ہی سامنے بولنے لگ گئے ہو۔ اس لیے ہم تمہاری مدد کرتے رہتے ہیں؟ گویا کہ اگر یہ کہہ دیا تکلیف دے دی احسان جتلا دیا تو وہ سارا کیا کرایا ختم ہو گیا۔

وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ — اور اللہ غنی ہے حلیم ہے

بظاہر پیسہ لوگوں کو دیا جا رہا ہے لیکن در اصل تو اللہ کو دیا جا رہا ہے لہٰذا یہاں ذکر اللہ کا ہی آیا ہے کہ جس کو تم پیسہ دے رہے ہو جس سے تم نے بدلہ لینا ہے وہ تو غنی ہے حلیم ہے۔ وہ تمہارے پیسے کا محتاج نہیں ہے یہ تو تمہارے لیے بہتری ہے کہ تم پیسہ خرچ کر رہے ہو لہٰذا اگر خرچ کرو تو اس کا نہ احسان جتلاؤ نہ کسی کو تکلیف دو۔ تم جو پیسہ دے رہے ہو اللہ غنی کو دے رہے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ — اے اہل ایمان! اپنے صدقات کو ضائع مت کیا کرو

جو تم اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو، خیرات دیتے ہو اس کو ضائع مت کیا کرو

بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی احسان رکھ کر اور تکلیف دے کر

تیسری مرتبہ یہ بات آ رہی ہے۔ یعنی خرچ کرو گے، بعد میں احسان جتلاؤ گے تکلیف دو گے تو تمہارا خرچ کیا ہوا پیسہ جتنا بھی ہو وہ زیرو سے ضرب کھا جائے گا زیرو ہو جائے گا ختم ہو جائے گا۔

کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ جیسے وہ آدمی جو لوگوں کے دکھاوے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے

جو پیسہ خرچ کرے اور جتلائے اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ریا سے خرچ کرنے والا آدمی

وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وہ نہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور نہ آخرت پر

اگر اسے اللہ پر یقین ہو کہ وہ جو پیسہ خرچ کر رہا ہے اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو کسی کو دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر آپ چھپ کر کسی کے گھر کے دروازے کے اندر بھی پھینک کر آ گئے کسی کو پتہ نہیں چلا کہ کون دے کر گیا تو اللہ کی نگاہ میں تو آ ہی گیا ہے اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اللہ آخرت میں بدلہ بھی دے گا۔ لیکن یہ جو جتلانا ہوتا ہے یہ تو اس لیے ہوتا ہے کہ شاید لوگوں کو پتہ ہی نہیں چل رہا، میں نے ایک لاکھ روپیہ خرچ کر دیا اور شہر میں اس کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے، اسی لیے تو لوگ جتلاتے ہیں تاکہ لوگوں میں چرچا ہو کہ یہ آدمی بڑا حاتم طائی ہے بہت خرچ کرتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا جو آدمی دکھاوے کے لیے خرچ کر رہا ہے اس کا صدقہ خیرات کوئی صدقہ خیرات نہیں ہے وہ تو الٹا اس کے لیے وبالِ جان بنے گا کہ نہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ اس کی مثال ایسے ہے جیسے صاف پتھر ہو اس پر کچھ مٹی ہو

فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا اس پر پڑے زور کا مینہ اور وہ چٹیل پہاڑی رہ جائے

کوئی پتھریلی پہاڑی ہے اس پر تھوڑی سی مٹی جمع ہو جائے اور کوئی آدمی اس پر کاشت کر دے تو اگر زوردار بارش ہو جائے تو مٹی سمیت بیج ہر چیز بہہ جائے گی اس لیے کہ نیچے تو پتھر ہے تو جو لوگ ریا کے لیے پیسہ خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسے ہے یعنی یہ لوگ جو خرچ کر رہے ہیں وہ نظر آ رہا ہے لیکن جب قیامت کے دن جائیں گے نتیجہ نکلنے والا ہو گا تو ان کے لیے وہاں کچھ بھی نہیں ہو گا۔

لَا یَقۡدِرُوۡنَ عَلٰی شَیۡءٍ مِّمَّا کَسَبُوۡا   کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جوانہوں نے کمایا

امیدیں بہت ہیں کہ ثواب ملے گا ہم نے بڑے خرچ کیے ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے کچھ نہیں ہے اس کے لیے کہ احسان جتلایا ہے تکلیفیں دی ہیں۔

وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۶۴﴾   اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دے گا

ایسے کافروں کو جو اللہ کے راستے میں خرچ بھی کر رہے ہیں لیکن دکھاوے کا کر رہے ہیں، اللہ ہدایت نہیں دے گا۔ کافروں سے خطاب کر دیا کہ دکھاوے کا کر رہے ہیں تو یہ اللہ کا اور آخرت کا انکار ہی ہو گیا۔ اگر اللہ کا اور آخرت کا یقین ہو تو پھر یہ دکھاوے کا کام نہ کریں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو اپنے عرش کے سائے میں اُس دن جگہ دے گا جس دن اور کوئی سایہ نہیں ہو گا یعنی قیامت کے دن۔ ان سات قسم کے خوش نصیب لوگوں میں پہلا ہے **اِمَامٌ عَادِلٌ** ایسا حاکم جو عدل کرنے والا ہو، انصاف کرنے والا ہو، خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے والا ہو۔ ایسے حاکم کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے کے نیچے جگہ عطا فرمائے گا۔ اور دوسرا ہے **شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ،** ایسے نوجوان کو جو نوجوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے کے نیچے جگہ دے گا۔ اور ان سات میں سے ایک ہے **رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَاتَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ،** وہ خوش نصیب آدمی جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو اس طرح چھپ چھپا کر کہ اس کا دایاں ہاتھ جو خرچ کرتا ہے اس کے بائیں ہاتھ کو بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یعنی خود اپنے ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا، کسی آدمی کو پتہ چلنا تو دور کی بات ہے۔ جو اس طرح خرچ کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اس کا اجر تو دے گا ہی دے گا، اس کے علاوہ اس کو یہ اعزاز عطا فرمائے گا کہ اپنے عرش کے سائے کے نیچے بھی جگہ عطا فرمائے گا۔ جیسے پرانے زمانے میں نوابوں اور بادشاہوں کے ہاں کرسی نشینی کا تصور تھا کہ یہ آدمی بڑا منصب دار ہے اس کے دربار میں اس کی کرسی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنے عرش کے سائے نیچے اعزاز کے ساتھ بٹھائے گا۔

درسِ حدیث

جیسے تمہارے اعمال ویسے تمہارے عُمّال

حافظ عطاء الرحمن

عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُولُ: **أَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا أَنَا مَالِكُ الْمُلُوكِ وَمَلِكُ الْمُلُوكِ، قُلُوبُ الْمُلُوكِ فِیْ یَدِی، وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا أَطَاعُونِیْ حَوَّلْتُ قُلُوبَ مُلُوكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّأْفَةِ، وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِی حَوَّلْتُ قُلُوبَهُمْ بِالسُّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوكِ وَلٰكِنِ اشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَیْ أَكْفِيَكُمْ مُلُوكَكُمْ** (مشكاة المصابيح)

’’حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں اور جب بندے میری فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان پر رحمت وشفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو غصہ اور انتقام کی طرف پھیر کر دیتا ہوں، پس وہ ان کو سخت تکالیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا تم خود کو بادشاہوں پر بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ خود کو اللہ کی یاد اور اس کے سامنے عاجزی کرنے میں مشغول رکھو تاکہ میں تمہارے بادشاہوں کے مظالم سے تمہیں محفوظ رکھوں‘‘۔

تمہیدی بات

حضرات! ماہِ اگست کی 14 تاریخ ہم مسلمانانِ پاکستان کے لیے بہت اہم ہے کہ آج سے 76 سال قبل اس تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی کی نعمت عطا فرمائی۔ ہمارے لیے واقعتاً یہ ایک خوشی کا دن ہے لیکن جب ہم پاکستان کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہیں تو وہ اس خوشی کو متاثر کردیتے ہیں کہ اس وقت ہمارا ملک معاشی طور پر بھی سخت بحران کا شکار ہے، سیاسی طور پر بھی حالت بری طرح بگڑی ہوئی ہے اور معاشرتی سطح پر بھی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ظلم و جبر ہے، بددیانتی اور دھوکہ دہی عام ہے، بے دینی اور بے حیائی ہے، بے روزگاری اور مہنگائی ہے، بدامنی اور خوف ہے، عدالتوں پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں، تعلیمی اداروں میں نصابِ تعلیم تو بے خدا تھا ہی اب تو حد درجہ اخلاقی گراوٹ بھی نمایاں ہے اور ذرائع ابلاغ کیبل، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا بے ہودگی سے لبریز ہیں۔ ایسے حالات میں جب 14 اگست کا دن آتا ہے تو آزادی کی خوشی ادھوری ہوکر ماند ہی پڑ جاتی ہے کہ ہم کس آزادی پر خوشی منائیں؟ اس آزاد ملک کو حاصل کرنے کا جو مقصد تھا وہ تو ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔

جب قیامِ پاکستان کے لیے جدوجہد ہورہی تھی اُس وقت سب سے زیادہ جو نعرہ لگایا گیا وہ تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلا اللہ''۔ یعنی یہ ہم پاکستان ملک کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کا مقصد اور مطلب کیا ہے؟ اس لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں ہم لا اِلٰہ اِلا اللہ کا نظام نافذ کریں گے، پاکستان ایسا ملک ہوگا جہاں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ ہوگا۔ عوام نے بھی یہ نعرہ پرزور انداز میں لگایا تھا، اس کے علاوہ ہمارے قائدین و بانیان نے بھی اپنی تقریروں میں یہی بات بار بار کہی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا: ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا، بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں''۔ (13 جنوری 1948ء، اسلامیہ کالج پشاور) اور علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الٰہ آباد میں کہا تھا: ''اگر مسلمانوں کی شمال مغربی علاقے میں ایک علیحدہ ریاست قائم ہوجائے تو ہمارے لیے موقع ہوگا کہ ہم دورِ ملوکیت میں اسلام کی تعلیمات پر جو پردے پڑ گئے تھے ان کو ہٹا کر دورِ حاضر کی مثالی اسلامی ریاست کا نمونہ پیش کرسکیں۔''

اسی طرح قیام پاکستان کے بعد جب دستور ترتیب دینے کا آغاز ہوا تو مارچ 1949ء میں قراردادِ مقاصد پاس ہوئی جس میں طے کیا گیا کہ ایسا دستور مرتب کیا جائے گا............جس کی رو سے اسلام کے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں کا پورا اتباع کیا جائے گا۔ اور............جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن وسنّت میں درج اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔۔ اس کے بعد جب یہ سوال اٹھایا گیا کہ اس ملک میں تو مختلف مکاتب فکر کے لوگ رہتے ہیں کس مکتب فکر کا اسلام نافذ کیا جائے؟ تو 1951ء میں تمام مکاتب فکر کے 31 علماء نے بحث ومباحثہ کے بعد 22 نکات متفقہ طور پر پیش کر دیے کہ ان کے مطابق اسلامی دستور تیار کر کے نافذ کر دیا جائے تو کسی مکتب فکر کے علماء کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے تحریک پاکستان کے دوران میں بھی یہ جذبہ نمایاں تھا کہ آزاد ملک پاکستان میں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ ہوگا اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی اس مقصد کے حصول کے لیے اجتماعی سطح پر بھی جدوجہد ہوتی رہی ہے۔ اس وقت دینی جذبہ موجود تھا، معاشرتی سطح پر خیرخواہی عام تھی اور ملک معاشی اور سیاسی سطح پر بھی بہتری کی جانب گامزن تھا۔ اس کے بعد تدریجاً عوام کے اندر دینی جذبہ کم ہو گیا اور دنیاوی وسائل کے حصول کی کوشش زیادہ ہوگئی، پھر حکمران بھی ایسے مسلط ہو گئے کہ نہ وہ عوام کے خیرخواہ تھے، نہ ملک کے اور نہ دین اسلام کے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رضا، رسول اللہ ﷺ کی اتباع، آخرت کی فلاح کی سوچ کے بجائے ترقی یافتہ ممالک سے دوستی اور ان کی خوشنودی مطمع نظر بن گئی اور ہماری گاڑی اپنی پٹری سے اُترتی چلی گئی۔ آج ہم اس نیک مقصد سے بہت دور نکل چکے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت ہمارے ملک کے حالات بہت خراب ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کریں کہ یہ ملک جو اسلام کے نام پر بنا تھا اس میں رہنے والوں میں اتحاد واتفاق اور اس کی ترقی اور استحکام دین اسلام سے ہی وابستہ ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کی ترقی اور استحکام چاہتے ہیں تو ہمیں دین اسلام کی طرف واپس آنا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کرنی ہوگی۔

اوپر درج حدیث مبارکہ سے ہمیں یہی سبق حاصل ہوتا ہے کہ اگر کسی ملک کے لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کر لیں تو وہ اپنی مہربانی سے ان کے دنیاوی حالات بھی اچھے کر دیتا ہے اور ان کو ایسے حکمران دیتا ہے جو ان کے لیے رحمدل و مہربان ہوتے ہیں۔ اور اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگ جائیں تو وہ ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر ایسے ظالم حکمران مسلط کر دیتا ہے جو ان کو بری طریقے سے تکالیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

حدیث مبارکہ کا ترجمہ و مختصر تشریح

عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُولُ:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یہ حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں یعنی یوں فرمائیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔

أَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا أَنَا

میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے،

یعنی میرا نام 'اللہ' ہے، میں 'اللہ' نام سے مشہور و معروف ہوں اور میری شان یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف میں ہوں، میرے سوا ایسا کوئی نہیں جو معبود ہونے کے قابل ہو۔

مَالِكُ الْمُلُوكِ وَ مَلِكُ الْمُلُوكِ،

میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں،

یعنی دنیا کے تمام حکمرانوں کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے وہ اللہ کے مملوک اور بندے ہیں۔ اور ان کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا (تکوینی) حکم دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے، وہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں اور جو بھی کرتے ہیں اس کی ہی مشیت سے کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آسمان و زمین میں جو جاندار و بے جان چیزیں ہیں ان سب کا مالک اور متصرف حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بادشاہ و حکمران بھی انہی میں سے ہیں۔

قُلُوبُ الْمُلُوكِ فِی یَدِی،

بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں

جب سب حکمران اس کے مملوک ہیں اور اس کے حکم کے تابع ہیں تو ان کے دلوں پر اسی کا قبضہ ہے وہ جیسے چاہے ان پر تصرف کرسکتا ہے اور جدھر چاہے ان کا دل پھیر سکتا ہے۔

آ گے ایک ضابطہ و قانون بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ مالک الملک اللہ عزوجل دنیا کے حکمرانوں کے دلوں کو عوام پر کب نرم کرتا ہے اور کب سخت کرتا ہے۔فرمایا

وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا أَطَاعُونِیْ حَوَّلْتُ قُلُوبَ مُلُوکِھِمْ عَلَیْھِمْ بِالرَّحْمَۃِ وَالرَّأْفَۃِ

اور بندے جب میری فرمانبرداری کرتے ہیں میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان پر رحمت وشفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں

وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِی حَوَّلْتُ قُلُوبَھُمْ بِالسُّخْطَۃِ وَ النِّقْمَۃِ

اور بندے جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دلوں کو غصہ اور انتقام کی طرف پھیر کر دیتا ہوں

فَسَامُوھُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

پھر وہ ان کو بڑی تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں

یہ ایک ضابطہ ہے کہ جب کسی علاقہ کے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں تو وہ رحمان ان کے حکمرانوں کو رحم دل بنا دیتا ہے پھر وہ اپنے ملک کی عوام کے خیر خواہ بن کر ان کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں اور جب کسی ملک کے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں تو وہ ان کے اعمالِ بد کے نتیجہ میں ان کے حکمرانوں کے دل ان پر سخت کر دیتا ہے، پھر یہ حکمران ایسے فیصلے کرتے ہیں جس سے عوام سخت تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے اور حکمرانوں کو ان پر رحم نہیں آتا۔

یہ بات کتاب وسنت سے ثابت ہے لہٰذا اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عموماً کسی ملک کے حالات وہاں کے لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔سورۂ روم آیت 41 میں ہے:’’بحر و بر میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی (اعمال) سے فساد پھیلا ہے‘‘۔سورۂ شوریٰ آیت 30 میں ہے: ’’تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ اکثر سے درگزر کر دیتا ہے۔‘‘ سورۂ اعراف آیت 96 میں ہے’’اگر بستی کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ

اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے''۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **كَمَا تَكُونُونَ كَذَالِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ** ۔(مشکوٰۃ)

''جیسے تم ہوگے ویسے ہی تم پر امیر مسلط کیے جائیں گے''۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

يَا رَبِّ أَنْتَ فِي السَّمَاءِ وَنَحْنُ فِي الْأَرْضِ فَمَا عَلَامَةُ غَضَبِكَ مِنْ رِضَاكَ؟ قَالَ: إِذَا اسْتَعْمَلْتُ عَلَيْكُمْ خِيَارَكُمْ فَهُوَ عَلَامَةُ رِضَائِي وَإِذَا اسْتَعْمَلْتُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ فَهُوَ عَلَامَةُ سَخَطِي (حلية الاولياء وطبقات الاصفياء)

''اے میرے رب! تو آسمان میں ہے اور ہم زمین میں۔ تیرے راضی ہونے اور ناراض ہونے کی علامت کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا: جب میں تم پر تمہارے اچھے لوگوں کو حاکم بناؤں تو یہ میرے راضی ہونے کی علامت ہے اور جب میں تم پر تمہارے برے لوگوں کو حاکم بناؤں تو یہ میرے ناراض ہونے کی علامت ہے''۔

علامہ ابوبکر طرطوشی (متوفیٰ 520ھ) اپنی کتاب سراج الملوک میں لکھتے ہیں:

لَمْ أَزَلْ أَسْمَعُ النَّاسَ يَقُولُونَ: أَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ، كَمَا تَكُونُوا يُوَلَّى عَلَيْكُمْ، إِلَى أَنْ ظَفِرْتُ بِهٰذَا الْمَعْنٰى فِي الْقُرْآنِ؛ قَالَ اللّٰه تَعَالٰى: وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا (الأنعام: ١٢٩)

میں ہمیشہ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا: ''تمہارے اعمال تمہارے حکمران ہیں، جیسے تم ہوگے ویسے ہی تم پر حکمران مسلط ہوں گے''۔ پھر مجھے قرآن مجید میں بھی یہ مفہوم مل گیا۔ سورۃ انعام آیت 129 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کرتے ہیں''۔

اس حدیث قدسی کے اگلے حصے میں بتایا گیا ہے کہ اگر کسی ملک کی عوام پر ان کی بدعملی کی وجہ ظالم حکمران مسلط ہوگئے ہوں تو ان کے ظلم و جبر سے نکلنے کا راستہ کیا ہے۔ فرمایا:

فَلَا تَشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوكِ

لہٰذا تم خود کو بادشاہوں پر بددعا میں مشغول نہ کرو

وَلٰكِنِ اشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ
بلکہ خود کو اللہ کی یاد اور اس کے سامنے عاجزی کرنے میں مشغول رکھو
كَيْ أَكْفِيَكُمْ مُلُوكَكُمْ
تاکہ میں تمہارے بادشاہوں کے مظالم سے تمہیں محفوظ رکھوں۔

یعنی حکمرانوں کو برا کہنے سے یا ایک کو ہٹا کر دوسرے کو لے آنے سے حالات درست نہیں ہوتے، بلکہ یہ برے حکمران تمہارے برے اعمال اور تمہاری بے راہ روی کا نتیجہ ہیں لہٰذا تمہیں اپنے آپ کو پہلے درست کرنا ہوگا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنی غلطیوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اس کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ حکمرانوں کے ظلم و ستم سے تمہاری کفایت کرے گا۔

حضرات! ہم مسلمانانِ پاکستان کو تو خاص طور پر اس حدیث مبارکہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے، آج ہم ملکی سطح پر مشکل ترین حالات سے گزر رہے ہیں۔ اگر ہم نے توبہ نہ کی اور دین اسلام پر خود عمل کرتے ہوئے اس کے نفاذ کی جدوجہد نہ کی تو مبادا یہ آزادی کی نعمت بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔ بقول علامہ اقبال

ؔ سُن اے غافل صدا میری، یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کُہن کی داستانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

سائنس اور مذہب میں مقاربت ومغایرت

انجینئر فیضان حسن
(پی ایچ ڈی سکالر، فیصل آباد)

(ر) طبیعاتی قوانین اور سٹیفن ہاکنگ

1۔ اسٹیفن ہاکنگ کا مختصر تعارف:

سائنس سے وابستہ بعض شخصیات ایسی ہیں جو سائنسی دنیا کے باہر بھی مشہور ہوئیں۔ ایسی شخصیات میں اسٹیفن ہاکنگ (Stephen Hawking) کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اسٹیفن ہاکنگ کی پیدائش 1942ء میں ہوئی اور 2018ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا تعلق انگلینڈ سے تھا۔ اپنی علمی اور تحقیقی خدمات اس نے کیمبرج یونیورسٹی میں انجام دیں۔

اگر ہم اس سوال پر غور کریں کہ سائنس اور اس کی شاخ طبیعات (فزکس) میں ہاکنگ نے کیا کارنامہ انجام دیا تو چند عنوانات ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں۔

ہاکنگ نے جن موضوعات پر کام کیا ان میں سب سے اہم بلیک ہول (قعر اسود) کا موضوع ہے۔ اس نے اس مسئلے کی تحقیق کے لیے بیسویں صدی کے سائنسی نظریات کا استعمال کیا۔ اس سے اتنی بات واضح ہے کہ اس کی گرفت سائنس اور طبیعات کے تصورات پر بہت مضبوط تھی۔ سائنس کے نظریات کو سمجھنے میں اس کی تحقیقی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ زندگی کے درمیانی دور میں جبکہ ہاکنگ کی جوانی کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا اس پر فالج کا حملہ ہوا اور جسم کا بڑا حصہ کام کرنے کے لائق نہ رہا پھر اس کیفیت کا اثر جسم کے باقی حصوں پر بھی پڑا یہاں تک کہ

آہستہ آہستہ بولنے کی طاقت بھی ختم ہوگئی لیکن انگلیوں اور آنکھوں کی حرکت کی مدد سے اس کے لئے کمپیوٹر کا استعمال ممکن رہا۔ کمپیوٹر کو اس طریقہ سے ترتیب دیا گیا کہ وہ ہاکنگ کی انگلیوں اور آنکھوں کی حرکت کے ذریعے کام کرتا تھا۔ اس طرح اس نے کتابیں بھی لکھیں اور علمی تحقیق بھی کی۔ نتائج تحقیق دنیا کے سامنے بیان کیے اور سائنس کے موضوعات کا عام فہم تعارف بھی کرایا۔ چنانچہ بظاہر شہرت کا سبب ہاکنگ کی غیر معمولی زندگی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کی جسمانی طاقت بہت کم تھی فالج کی وجہ سے وہ بولنے اور لکھنے کا کام براہ راست نہیں کرسکتا تھا، اسے کمپیوٹر کی مدد لینی پڑی۔ ان غیر معمولی مشکلات کے باوجود اس نے اوّل درجہ کی تحقیق کی اور اپنے خیالات اور تحقیقات کا کام عام فہم تعارف بھی کرایا۔ یہ سب امور کشش کا باعث ہے۔ اس کی غیر معمولی محنت، عزم، ارادہ اور تسلسل کے ساتھ کام، جسمانی صلاحیت اس قدر متاثر ہوجانے کے باوجود اس کی سرگرم زندگی میں ہمارے لئے سبق موجود ہے۔ سبق یہ ہے کہ ہم زندگی کی مشکلات سے نہ گھبرائیں بلکہ عزم اور ارادے کے ساتھ ہم مشکلات پر قابو پائیں۔

2۔ ہاکنگ کی مقبول کتاب:

علمی دنیا میں ایسی موو (Asimov) کا نام معروف ہے جس نے سائنس کے تصورات کا سہارا لے کر مستقبل کی دنیا کی تصویر، سائنسی کہانیوں کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ Asimov نے سائنس فکشن یعنی سائنسی کہانیاں لکھنے کے میدان میں شہرت حاصل کی ہے۔ اِس کی کہانیوں میں مشینی دماغ یعنی روبوٹ سے متعلق کہانیاں بھی موجود ہیں اِن داستانوں میں ایسی دنیا کا تصور پیش کیا گیا ہے جس میں مفلوج افراد جن کی جسمانی صلاحیتیں کمزور ہوں یا ختم ہوگئی ہوں روبوٹ کا سہارا لے کر اپنا کام کرسکتے ہیں۔ گویا روبوٹ ان کی جسمانی کمی کو پورا کردیتا ہے۔ یہ تو کہانی کی کتاب ہے لیکن ہاکنگ کی زندگی میں یہ افسانہ حقیقت کی شکل میں نظر آتا ہے۔

ہاکنگ کی علمی اور تحقیقی کام کا تعلق ایک خاص سائنسی موضوع سے ہے جس کو بلیک ہول (قعر اسود) کہا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ اس نے دیگر سائنسی موضوعات پر بھی اظہارِ خیال کیا اور تحقیقات کیں۔ اس نے سائنس کے تصورات اور تحقیقات کا عام فہم اور مقبول عام تعارف کرانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اِس کی ایک کتاب زیادہ مشہور ہوئی جس کا نام

"A Brief History of Time" یعنی ''وقت کے تصور کی مختصر تاریخ'' یہ کتاب 1988ء میں شائع ہوئی اور اپنے زمانے میں اِسے سب سے زیادہ فروخت ہونے والی (Best Seller) کتاب کی حیثیت حاصل ہوئی۔ کتاب کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوا۔ بڑے پیمانے پر خریدی اور پڑھی گئی۔ اس کتاب کی اشاعت کے چند سال بعد اس نے اِسی کتاب کا خلاصہ، تصورِ وقت کی مختصر تاریخ کے نام سے لکھا جس میں سائنسی تصورات کی عام فہم تفہیم کی کوشش کی یہ تحریریں ہاکنگ کے نمایاں کاموں میں شامل ہیں۔ اس نے کائنات کی ابتداء خدا کے تصور اور خدا اور کائنات کے تعلق جیسے موضوعات پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہ موضوعات عام انسان کی دلچسپی کے موضوعات ہیں۔ چاہے وہ سائنس نہ جانتا ہو۔ ہر شخص بہر حال کائنات اور خدا کے بارے میں سوچتا ہے۔ ہاکنگ کی تحریروں کے پڑھنے والوں نے خدا اور کائنات کے بارے میں اِس کے خیالات پر بھی توجہ دی۔

3۔ ہاکنگ کا سائنسی کارنامہ:

ہاکنگ کی تحقیقات کا اہم جز وقعرِ اسود یا بلیک ہول سے متعلق ہے۔ قعرِ اسود کا ابتدائی تصور تو ہاکنگ کا نہیں البتہ اِس کو سمجھنے میں ہاکنگ کی تشریحات نے بھی مدد کی ہے۔ کائنات میں ہم سیاروں کے وجود سے واقف ہیں۔ سورج بھی ایک سیارہ ہے جو دوسرے سیاروں کے مقابلے میں ہمارے سب سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے حساب سے تو سورج بہت ہی دور ہے یعنی نو کروڑ میل یا پندرہ کروڑ کلومیٹر لیکن اللہ کی کائنات بہت وسیع ہے، اس میں پندرہ کروڑ کلومیٹر کا فاصلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ سورج سے روشنی زمین تک صرف آٹھ منٹ میں آ جاتی ہے۔ اس کے بعد زمین کے قریب ترین جو سیارہ ہے اس کو الفاسنطاری کہا جاتا ہے، اس سے روشنی کو زمین تک آنے میں چار سال لگ جاتے ہیں۔ یہ قریب ترین سیارے کا معاملہ ہے۔ خدا کی کائنات کی وسعت کے تناظر میں زمین سے سورج کا فاصلہ معمولی فاصلہ ہے۔ سورج نظامِ شمسی کا مرکز ہے، اس نظام میں بہت سے سیارے موجود ہیں، زمین بھی ان میں سے ایک ہے۔ سورج جیسے بہت سارے سیارے کائنات میں موجود ہیں۔ سیارے سے روشنی اور گرمی نکلتی ہے تو اس میں موجود توانائی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جاتی ہے، ایک بڑے لمبے عرصے کے بعد ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب سیارے کی توانائی بالکل ختم ہو جاتی ہے اور وہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے میں سیارے کو سائنسی اِصطلاح میں

White Dwarf کہا جاتا ہے یعنی وہ سفید وجود کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

4۔ قعرِ اسود (بلیک ہول):

سوال یہ ہے کہ کوئی سیارہ اس مرحلہ تک پہنچ جائے تو اب کیا ہوگا؟ تحقیقات کی بنیاد پر تین احکامات ہیں:

1۔ ایک امکان یہ ہے کہ وہ پھٹ جائے گا اور منتشر ہو جائے گا اِس کی توانائی دوبارہ یکجا نہیں ہو سکے گی۔

2۔ دوسرا یہ کہ وہ سکڑتے سکڑتے چھوٹا ہوتا جائے گا۔ عام مادہ میں ایٹم ہوتے ہیں اور ایٹم میں الیکٹران، پروٹان جیسے ایٹمی ذرّات ایک دوسرے سے الگ الگ موجود ہوتے ہیں سکڑ جانے والے سیارے میں ایسا نہیں ہوگا وہ اتنی چھوٹی شکل اختیار کر لے گا کہ ایٹم کے ذرات میں سے بس ایک ذرہ باقی رہ جائے گا۔ جسے نیوٹران کہتے ہیں گویا سیارہ نیوٹران اسٹار بن جائے گا۔

3۔ ایک تیسرا امکان بھی ہے، وہ ہے قعرِ اسود یا بلیک ہول کا ظہور۔ یعنی یہ ممکن ہے کہ سیارہ بلیک ہول بن جائے۔ البتہ بلیک ہول کے ظہور کے لیے شرط یہ ہے کہ سیارے کا جو ابتدائی وزن تھا وہ ہمارے سورج کے وزن سے کم از کم چالیس فی صد زائد ہو، اس مقدار سے کم نہ ہو۔ سورج کا وزن ہمارے پیمانوں کے مطابق بہت زیادہ ہے۔ کاغذ پر اگر ہم دو کا ہندسہ لکھیں اور اس کے آگے تیس صفر لگا دیں اتنے کلوگرام سورج کا وزن ہے، ہماری گنتی سے اِس کو بتایا نہیں جا سکتا۔ یوں سمجھیں ہم کہ وہ دو ہزار ارب، ارب، ارب کلوگرام کا وزن ہے۔ اتنی بڑی مقدار میں اس کا مادہ ہے۔ اس میں چالیس فیصد کا اضافہ کریں۔ سیارے کم از کم اتنا مادہ ہو تب وہ قعرِ اسود یا بلیک ہول بن سکے گا۔

5۔ ہاکنگ کی جدت:

بلیک ہول کی خصوصیات کے تناظر میں ہاکنگ نے نئی بات پیش کی، جس کو اس نے عام فہم انداز میں اپنی کتاب (Brief History of time) میں بیان کیا ہے۔ ہاکنگ نے کوانٹم نظریہ کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق پیشن گوئی یقینی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یقینی پیشن گوئی کی کوشش کوانٹم نظریہ کے تخلیق کردہ سائنسی مزاج کے خلاف ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بلیک ہول سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی تو یہ ایک مطلق پیشن گوئی ہے۔ ہاکنگ کہتا ہے کہ یقیناً اس استدلال میں کوئی

جھول اور کمزوری ہے اس لئے کہ مطلق پیشن گوئی نئے سائنسی رجحان سے ہم آہنگ نہیں۔

ایک بار ہاکنگ نے روس کا سفر کیا۔ روس کے ایک سائنسدان نے اس تضاد کی جانب ہاکنگ کو توجہ دلائی کہ یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ بلیک ہول سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی کیا یہ مطلق دعویٰ کوانٹم نظریہ کے مطابق ہے؟ ہاکنگ کو اس سوال نے متاثر کیا اور اس نے بالآخر اپنی تحقیق کر کے نتیجہ نکالا کہ بلیک ہول سے متعلق یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ اس سے کوئی چیز باہر نہیں نکل سکے گی۔ بلکہ ہوگا یہ کہ بلیک ہول سے روشنی نکلے گی البتہ اس اخراج کے امکانات کم ہوں گے۔ بتدریج ہی سہی روشنی نکلتے نکلتے ایک وقت ایسا آئے گا کہ بلیک ہول کی توانائی ختم ہو جائے گی یعنی وہ منتشر ہو جائے گا اور ایک اجرامِ فلکی کے طور پر باقی نہیں رہے گا۔ بلیک ہول سے روشنی کے اخراج کو ہاکنگ ریڈی ایشن (Hawking Radiation) کہا جاتا ہے۔ روشنی توانائی کی ایک شکل ہے چنانچہ ہاکنگ کا نظریہ اور تحقیق یہ ہے کہ قعرِ اسود سے توانائی خارج ہوگی۔ ہاکنگ کا یہ استدلال قوی ہے اس لئے کہ یہ کوانٹم نظریہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ چنانچہ اب عموماً لوگوں نے اس استدلال کو تسلیم کر لیا ہے پیش کردہ بنیادی دلیل کوانٹم نظریہ سے مستنبط ہے البتہ ایک ثانوی دلیل بھی ہاکنگ نے پیش کی ہے جو پرانی سائنس سے مستعار ہے۔ روایتی فزکس کا ایک باب ''حرارت کے قوانین'' سے عبارت ہے۔ اس شعبے کو Thermodynamic کہتے ہیں۔ حرارت کے قوانین کی نوعیت نیوٹن کے عام خیالات سے قدرے مختلف ہے۔ اگرچہ یہ قوانین روایتی فزکس کا حصہ ہیں۔ حرکیات کے ان قوانین میں اِمکان کا ذکر ہوتا ہے۔ زیرِ مشاہدہ ذرات کی حرکت سے متعلق یقینی پیشینگوئی نہیں ہوتی۔ حرارت کے قوانین پرانی سائنس کا جز ہیں۔ یہ بیسویں صدی سے پہلے ترتیب پا چکے تھے۔ تاہم ان میں اور کوانٹم نظریہ میں یہ امر مشترک ہے کہ دونوں کے مطابق ذرات کی حرکت کی تفصیلی کیفیت کے سلسلے میں مستقبل کے تناظر میں یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ہاکنگ نے دلائل کے طور پر دونوں کا استعمال کیا ہے یعنی کوانٹم نظریہ اور حرکیات، حرارت کے قوانین کو ہاکنگ کی اصل دلیل کوانٹم تصورات ہیں اور اس کے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ بلیک ہول سے توانائی نکلے گی۔ حتیٰ کہ اس میں موجود توانائی بالآخر ختم ہو جائے گی اور اس کا بلیک ہول کے طور پر جداگانہ وجود باقی نہیں رہے گا۔ اس استدلال نے سائنس اور فزکس کی دنیا میں ہاکنگ

کی تحقیقات کو نمایاں مقام عطا کیا۔ اس کے تصورات کو لوگوں نے بڑی اہمیت دی اور اس کے استدلال کی قوت کو تسلیم کیا۔

ہاکنگ کے عام افکار:

سائنسی تحقیق اور سائنس کے مقبول عام تعارف پر مشتمل کتابوں کی تصنیف کے علاوہ ہاکنگ کے چند عام افکار درجہ ذیل ہیں:

(i) کائنات کی ابتدا (ii) خدا اور کائنات

(iii) کائنات میں کارفرما عظیم منصوبہ

ان کی تفصیل درجہ ذیل ہے:

(i) کائنات کی ابتدا:

سائنس دانوں کے مابین کائنات کی ابتدا کے سلسلے میں دو نظریات مقبول تھے۔ جو بیسویں صدی میں پیش کئے گئے۔ ایک نظریہ یہ تھا کہ کائنات کی ابتدا ایک دھماکے سے ہوئی۔ اس خیال کو بگ بینگ تھیوری کہا جاتا تھا۔ گویا کائنات کا آغاز ایک نقطے سے ہوا۔ پوری کائنات کا مادہ جمع تھا۔ پھر کائنات پھیلنا شروع ہوئی۔ ابتدائے کائنات سے متعلق دوسرا تصور وہ تھا جس کو ہبل (Hubble) نے پیش کیا۔ وہ تصور یہ ہے کہ کائنات پھیل نہیں رہی بلکہ اس میں تخلیق کا عمل مسلسل جاری ہے۔ بظاہر ہمیں کائنات پھیلتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن نئی تخلیق کے تسلسل کی بنا پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کائنات کا آغاز ایک نقطے سے ہوا۔ بقول اقبال:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم ، صدائے کن فیکون

جہاں تک مشاہدے کا تعلق ہے شواہد پہلے تصور کے حق میں ہیں۔ تخلیق مسلسل کے نظریے کے حق میں کوئی شواہد پیش نہیں کئے جا سکتے۔ اِس کے برعکس جب دور کی کسی کہکشاں (Galaxy) کا مشاہدہ کیا جائے تو کائنات کا پھیلنا ایک حقیقت کے طور پر سامنے آتا ہے۔

پہلے تصور، یعنی ایک نقطے سے کائنات کا آغاز کو اہل تحقیق نے عام طور پر تسلیم کیا۔ ہاکنگ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے۔ یعنی کائنات کی ابتدا ایک نقطے سے اور ایک دھماکے کے ساتھ ہوئی

اوراب وہ پھیلتی چلی جارہی ہے۔ اِس نے کائنات کے ارتقا کے مختلف مراحل بھی بیان کیے ہیں۔ کتاب (Brief History of Time) میں ان مراحل کا تذکرہ ہے۔ تدریجاً کائنات میں کیا تبدیلیاں ہوئیں؟ اور کس طرح ارتقا ہوا؟ اِس کو ہاکنگ نے بیان کیا ہے۔

(ii) خدااور کائنات:

کائنات کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ہاکنگ خدا کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو باتیں اس نے کہی ہیں وہ اسی قسم کی ہیں جیسی عام طور پر ملحدین کہتے ہیں۔ مثلاً ایک بات اس نے یہ کہی ہے کہ ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت اس وقت تھی جب سائنس نے ترقی نہیں کی تھی اور ہم کائنات کی توجیہ کے لیے خدا کے تصور کا سہارا لیتے تھے۔ اب ہم سائنس کے حقائق ونظریات کو جانتے ہیں اس لیے خدا کے تصور کی ضرورت نہیں ہے۔ ملحدین کا یہ قول بالکل بچگانہ ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ کائنات کی سائنسی تشریح اصلاً اس سوال کا جواب ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہورہا ہے۔ وہ کس طریقے اور کس ڈھنگ سے ہورہا ہے؟ اس میں کارفرما قوانین کیا ہیں؟ اس کے برعکس جب ہم خدا کے وجود کے بارے میں پوچھتے ہیں تو وہ سوال ایک دوسری نوعیت کا ہوتا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ ان فطری قوانین کا بنانے والا کون ہے؟ ان قوانین کو کام میں لاکر کائنات میں حسن، ترتیب اور تناسب کو قائم کرنے والا کون ہے؟ وجودِ خداوندی کے بارے میں مذکورہ بالا بات جو ہاکنگ نے پیش کی ہے۔ ملحدین عموماً اس کو دہراتے رہتے ہیں۔ وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ اس گفتگو میں دو مختلف سوالات زیرِ بحث ہیں۔

(1) ایک سوال مظاہر کائنات کے بیان (Description) سے متعلق ہے۔ جبکہ

(2) دوسرا سوال کائنات کی تعبیر (Meaning) سے متعلق ہے۔

کہنے والا یہ تو کہہ سکتا ہے کہ سائنسی ترقی نے کائنات میں نظر آنے والے مظاہر فطرت کا (مبنی بر مشاہدات) بیان ہمارے سامنے پیش کردیا۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ سائنس نے کائنات میں حسن اور توازن کی موجودگی کی توجیہ بھی پیش کردی ہے۔ بہرحال ہاکنگ کا ایک قول تو یہ ہے کہ:

(1) ہمیں خدا کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اب سائنس ترقی کرچکی ہے۔

(2) دوسری بات اس نے یہ کہی کہ خدا تعالیٰ نے کائنات کے قوانین کو وجود بخشا ہے۔

غالباً یہ تصور صحیح ہے (یہ اسی طرح کی بات ہے جو نیوٹن نے پیش کی تھی کہ قوانین فطرت خدا کے بنائے ہوئے ہیں)۔ البتہ ہاکنگ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ براہِ راست مداخلت کر کے (اپنے بنائے ہوئے) قوانین فطرت میں تبدیل نہیں کرتا۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ قوانین بنا دینے کے بعد پھر وہ کائنات کے ارتقا میں (بطور مدبر) مداخلت کرے۔ مداخلت کی صورت یہ ہو کہ کائنات میں نافذ قوانین میں تبدیلی ہو جائے۔ یہ ہاکنگ کا قول ہے اور اس قول کا ایک پس منظر ہے۔ ریاضی دان لیپ لاس کا خیال یہ تھا کہ خدا نے کائنات کی ابتدا کر دی۔ اس کے بعد کائنات میں اس کا رول ختم ہو گیا۔ اس کے برعکس ایک خدا پرست کے نزدیک کائنات کی درست تصویر یہ ہے جس کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ (الانبیاء:30)

''کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے؟ تو ہم نے جدا جدا کر دیا۔ اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟''

تخلیق کی ابتدا کے بعد حاکم حقیقی کا کردار ختم نہیں ہوا بلکہ وہ ہر آن کائنات کی تدبیر کر رہا ہے۔ وہ زندہ و جاوید ہے۔ محض خالق نہیں بلکہ وہ مدبر اور حاکم بھی ہے اور اس کا حکم کائنات میں مسلسل جاری ہے۔ اگر کوئی خدا پر ایمان رکھنے والا کائنات کی یہ تصویر پیش کرے تو ملحدین اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ خدا کی تدبیر مسلسل کے معنی یہ ہوں گے کہ قوانین فطرت میں تبدیلی کا امکان تسلیم کر لیا گیا۔ ملحدین کا فہم یہ ہے کہ خدا پرستوں کے نزدیک قوانین فطرت بدل سکتے ہیں۔ پھر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قوانین فطرت کی تبدیلی کے امکان کو نہیں مانتے۔ چنانچہ خدا کو بھی نہیں مان سکتے۔ ملحدین کے تصور کے مطابق حاکم حقیقی کی جانب سے تدبیر کائنات کی ایک ہی ممکن صورت ہے۔ یعنی قوانین فطرت میں تبدیلی۔

مغرب کا فکری جمود:

ملحدین کا فہم و استدلال درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں فلسفہ سائنس کا ارتقا

رُک گیا ہے۔سائنس کا ارتقاء تو بیسویں صدی میں ہوا اور اب بھی جاری ہے۔مگر فلسفہ سائنس پر جمود طاری ہوگیا اس لیے ملحدین درست طرز پر فلسفیانہ غور وفکر کر کے زیر بحث سوال کا معقول جواب نہیں پا سکے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر ہم خدا کے وجود کو مان لیں تو پھر کائنات میں ہر آن واقعہ ہونے والی تبدیلیوں سے خدا کا کیا تعلق ہے؟ اس سوال کا مدلل فلسفیانہ جواب ملنا چاہیے تھا۔صحیح جواب فراہم کرنا اصلا اہل ایمان کی ذمہ داری تھی۔ہم اہل کتاب کو بھی اس صف میں شامل کر سکتے ہیں۔ بہرحال مغربی دنیا نے اس سوال سے بحث نہیں کی۔ وہ خدا اور کائنات کا سادہ لوحی کے ساتھ تذاکرہ کرتے رہے۔ان کے نزدیک محض قوانین فطرت میں تبدیلی کے ذریعے تدبیر کائنات میں خدائی مداخلت ممکن ہے۔بہرحال ان کا یہ فہم صحیح نہیں ہے۔واقعہ یہ ہے کہ قوانین فطرت کے علاوہ کائنات کے دوسرے پہلو بھی ہیں۔مثلاً انسان جب کائنات کی اشیاء کو استعمال کرتا ہے تو محض فطری قوانین کو نہیں بلکہ اپنے آزاد ارادے کو بھی استعمال کرتا ہے اور اسباب کو اپنے پیش نظر نقشے کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔پھر قوانین کے مطابق متوقع نتائج ظاہر ہوتے ہیں انسان کے اس عمل کی بنا پر کائنات میں نافذ قوانین نہیں بدلتے۔اسی طرح خشیت الٰہی بھی کائنات میں کارفرما ہے اور خشیت الٰہی کا وجود اور کائنات میں اس کی کارفرمائی قوانین فطرت میں تبدیلی کی متقاضی نہیں ہے۔

iii۔ کائنات میں کارفرما عظیم منصوبہ:

کائنات کے متعلق ہاکنگ کا تیسرا بیان 2010 کی اس کی کتاب میں سامنے آتا ہے۔اس کتاب کا نام (The Grand Design) (عظیم منصوبہ) ہے یہ عام فہم زبان میں لکھی ہوئی کتاب ہے۔اس میں ہاکنگ نے چند بنیادی سوالات پر بحث کی ہے۔

1۔ ایک سوال جانداروں کی دنیا کے بارے میں ہے۔سوال یہ ہے کہ جانداروں کی دنیا میں جو ترتیب، حسن توازن اور باہمی توافق پایا جاتا ہے، اس کی توجیہ کیا ہے؟ خدا پرستوں کے نزدیک اس مظہر کی توجیہ خدا کا وجود اور اس کی تدبیر ہے اور کائنات کا یہ شعبہ مصورِ حقیقی کی مصوری کا شاہکار ہے۔مگر ملحدین اس اعتدال و تناسب کی توجیہ نظریہ ارتقا کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ ہاکنگ نے اس ضمن میں کوئی خاص بات پیش نہیں کی۔مغرب کے ملحدین عموماً یہی کہتے ہیں۔

2۔ اِس کے بعد ہاکنگ دوسرا سوال قائم کرتا ہے جو نظامِ شمسی کے متعلق ہے یعنی جانداروں کی دنیا سے باہر آیئے اور (بطورِ مثال) سورج اور زمین کے تعلق پر غور کیجیے یہاں بھی بے مثال توافق اور توازن نظر آتا ہے۔ گویا ایک عظیم منصوبہ کے خدوخال نظر آتے ہیں۔ ہم تصور کریں کہ اگر زمین اور سورج کے درمیان فاصلہ کم یا زیادہ ہوتا تو ہمارا حساب بتاتا ہے کہ زمین پر انسانی زندگی کا اِمکان ختم ہو جاتا۔ اِسی طرح زمین پر بارش کا نظام اور ہوا کا نظام انتہائی موزوں صورت میں موجود ہے۔ بہت سی اور مناسبتیں بھی ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ شمسی انسان کے لئے انتہائی سازگار ہے۔ اس موزونیت اور سازگاری کی کیا توجیہ ہے اگر خالق کو نہ مانا جائے؟

ہاکنگ کا جواب یہ ہے (اور دوسرے ملحدین اس جواب میں شریک ہیں) کہ کائنات میں تنہا یہی ایک نظامِ شمسی تو نہیں ہے، دنیا میں ایسے بہت سے نظام موجود ہیں (ان کی تعداد بتانے کے لیے لاکھوں کروڑوں کی گنتیاں بھی چھوٹی ہیں) تو ان سب میں اتفاق سے ایک ایسا نظام شمسی ہے جس کے حالات انسانی زندگی کے ظہور اور بقا کے لیے سازگار ہیں۔ شمسی نظاموں کی اتنی بڑی تعداد کی موجودگی کی بنا پر اتفاق سے ایسا ہو جانا غیر متوقع نہیں ہے۔ یہ جواب پہلے ڈاکنس (Dawkins) نے دیا جو حیاتیات کا ماہر ہے ہاکنگ نے اِس کو نقل کیا ہے۔ مثال کے طور پر زمین اور سورج کے نظام میں موجود توازن کا ایک سبب باہمی کشش ثقل ہے۔ اب اس کشش کی نوعیت پر غور کیجیے۔ یہ محض سورج اور زمین کے درمیان موجود ہے (یعنی آفاقی ہے) جو قانونِ ثقل ہمیں معلوم ہے وہ یہ ہے کہ دو اجرام کا درمیانی فاصلہ دوگنا ہو جائے تو ان کے مابین کشش کم ہو کر محض ایک چوتھائی رہ جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ اگر قانونِ ثقل کچھ اور ہوتا، مثلاً قوتِ کشش (باہمی فاصلہ دوگنا ہونے پر) ایک تہائی ہو جاتی تو کائنات کیسی ہوتی؟

الحاد کی شکست:

مذکورہ بالا سوال کائنات میں اشیاء کی موجودگی، ترتیب، تعامل اور توافق سے متعلق نہیں ہے یعنی اشیاء کیا ہیں اور کیسی ہیں؟ بلکہ یہ اس سے مختلف سوال ہے۔ سوال یہ ہے کہ

''کائنات میں جو قوانین فطرت کارفرما ہیں ان کی نوعیت کیسی ہے؟''

خدا پرستوں کے علم کے مطابق اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ قوانین انسانی زندگی سے گہری مطابقت رکھتے ہیں اوراس کے تسلسل و بقاء کے لیے موزوں وسازگار ہیں۔اگرایسی دنیا کا تصور کیا جائے جہاں قوانین کچھ اور ہوں (مثلاً کشش ثقل کا قانون اس سے مختلف ہو۔ جو ہمیں معلوم ہے) توانسانی زندگی ناممکن ہو جائے گی۔ یہ صورتحال عظیم ترین چیلنج ہے جو ملحدین کے سامنے ہے۔ اگر خدا کو نہ مانیں تو اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا کہ قوانین فطرت کے اندر موزونیت کیوں ہے؟ یعنی وہ انسان کے لیے سازگار کیوں ہیں؟ گرانڈ ڈیزائن کا منصوبہ کہاں سے آیا؟ اس سوال کا نادر جواب ہاکنگ نے فراہم کیا ہے وہ جواب یہ ہے کہ

''کائنات بھی محض ایک نہیں بلکہ متعدد ہیں جیسے نظامِ شمسی بہت سے ہیں اِسی طرح کائنات بھی بہت سی ہیں وہ ہمیں نظر نہیں آتیں اور کبھی نظر آئیں گی بھی نہیں۔''

ہاکنگ کہتا ہے کہ ہر کائنات میں کارفرما قوانین الگ الگ ہیں۔ کہیں اجرام کے درمیان کشش ہے جو اُن کو قریب لاتی ہے۔تو کہیں ایسی کائنات بھی ہوگی جہاں اجرامِ فلکی قریب آنے کی بجائے ایک دوسرے کو دور بھگاتے ہوں گے۔ان متعدد کائناتی نظاموں میں اتفاقاً ایک کائنات ایسی ہے جس کے قوانین ہمارے لیے (یعنی انسانوں کے لئے اور انسانی زندگی کی بقا) کے لئے سازگار ہیں۔ اِسی کائنات میں ہم رہتے ہیں یہی ہم کو نظر آتی ہے۔ چنانچہ اِسی سے واقف ہیں۔کوئی اور کائنات ہمیں نظر نہیں آتی ہے (اگرچہ موجود ہے) اور کبھی نظر نہیں آئے گی۔ ہاکنگ کا یہ جواب سن کر پری اور بھوت کے قصے یاد آجاتے ہیں۔ جو انسانی خیال آرائی کی معراج ہیں مگر حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

ہاکنگ کا یہ جواب عوامی ابلاغ (سوشل میڈیا) کے ذریعے عام ہوا ہے۔اس جواب پر بعض تبصرے سامنے آئے۔ سات تبصرے اس کے حق میں اور اس سے دوگنے تبصرے اس کے جواب کی تردید میں تھے۔تردید کرنے والوں کا کہنا یہ ہے کہ

''اگر نظر نہ آنے والی کائنات کا وجود ہی تسلیم کرنا ہے (اور وہ بھی ایک نہیں بلکہ اَن گنت) تو اس کے مقابلے میں خدا کو ماننا زیادہ آسان ہے۔''

گویا ملحد یہ کہتے ہیں کہ

’’عالم وجود میں اَن گنت کائناتیں موجود ہیں بغیر مشاہدہ کیے ان کی موجودگی پر ایمان لاؤ جو ہمیں نظر نہیں آتیں اور کبھی نظر نہیں آئیں گی۔‘‘

ملحدین کے اس قول کو سننے کے بعد غور کرنا چاہئے کہ

’’خدا بھی نظر نہیں آتا تو اِس کے وجود کو مان لینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اِس کے کہ بلا دلیل متعدد عالم مان لیے جائیں۔‘‘

واقعہ یہ ہے کہ عظیم منصوبے (Grand Design) کا ادراک الحاد کی حتمی شکست ہے۔ متعدد عالموں کا جو افسانہ تصنیف کیا گیا ہے، وہ بتاتا ہے کہ ملحدین نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ اب اِن کے پاس کوئی استدلال باقی نہیں رہا جسے وہ الحاد کی تائید میں پیش کر سکیں۔ اب ایک معقول انسان کے لئے ایک ہی راستہ باقی ہے کہ وہ قادرِ مطلق، خالقِ حقیقی، خدائے وحدہٗ لاشریک کے وجود پر ایمان لے آئے۔ (جاری ہے)

مصادر و مراجع

(۱) سٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ از پروفیسر محمد رفعت

قصۂ جدید و قدیم

3

ڈاکٹر محمد رشید ارشد

حفظِ مراتب کا فقدان

حفظِ مراتب کی تہذیب تھی، مراتبِ وجود متعین تھے، مغربی مساوات نہ تھی۔ اب کیا ہوا؟ فرد آزاد ہو گیا سب افراد مساوی ہو گئے کسی کے لیے تکریم باقی نہ رہی۔

یہ بہت اہم بات ہے۔ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں بلکہ روایتی تہذیب اور مغربی تہذیب میں یہ بہت بنیادی فرق ہے کہ حفظ مراتب تھے یعنی ایک chain of being تھی۔ خدا ہے، خدا کے بعد فرشتے ہیں angelic realm ہے پھر human realm ہے تو human realm میں prophits ہیں پھر sants ہیں پھر نیک لوگ ہیں پھر عام لوگ ہیں پھر اس کے بعد حیوانات ہیں پھر اس کے بعد نباتات ہیں اس کے بعد جمادات ہیں۔ اسی طرح ہر چیز hierarchical تھی یعنی politics میں بھی ایسا ہی تھا کہ یہ serfs ہیں یہ پھر نائٹس ہیں یہ پھر lords ہیں اس کے بعد یہ ہیں پھر یہ ہیں۔ اسی طرح آپ دیکھیں کہ مذہبی کلرجی کے بھی مراتب طے تھے کہ جناب یہ monks اور nuns ہیں اس کے بعد priest ہیں اس کے بعد bishops ہیں اور اوپر جائیں تو اس کے بعد cardinals ہیں اور cardinals سے اوپر pop ہے۔ وہی hierarchy ہے۔ یہ استاد ہے یہ شاگرد ہے، یہ باپ ہے یہ اولاد ہے، یہ شوہر ہے یہ بیوی ہے، یہ بڑا بھائی بڑی بہن ہے چھوٹا بھائی چھوٹی بہن ہے ایک hierarchy ہے۔ لیکن اب

کوئی حفظ مراتب نہیں ہے اور سب لوگ برابر ہیں اور سب لوگ equal worth رکھتے ہیں اور سب کے ساتھ ہم نے مساوی تعلق رکھنا ہے اور کسی کی تکریم باقی نہیں رہی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ مغرب کے میڈیا نے سب سے پہلے ٹاک شوز شروع کیے اور ایک طرف نوجوان نسل بیٹھی ہے اور دوسری طرف بابے بیٹھے ہیں اور جھڑپ ہو رہی ہے وہ ان کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہے ہیں۔ پھر اسی طرح یہاں اساتذہ بٹھا دیں ادھر طلبہ بٹھا دیں وہ ایک دوسرے سے بھڑ رہے ہیں۔ ادھر شوہر ہے ادھر بیوی ہے۔ یہ کیا دکھا رہے ہیں؟ یہ دکھا رہے ہیں کہ کوئی secretness نہیں ہے کسی رشتے میں۔ ع بول کہ لب آزاد ہیں تیرے۔ جو تم نے کہنا ہے کہو جو تمہارے من میں آتی ہے تم کہو کسی چیز کو روکو نہیں، مکالمہ ہونا چاہیے ہر چیز پر گفتگو ہونی چاہیے۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ کوئی secretness باقی نہ رہے، کسی رشتے کا تقدس باقی نہ رہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ mimicry ہوتی ہے پروگرامز بنائے جاتے ہیں حکمرانوں کے خاکے بنائے جاتے ہیں سیاست دانوں کے خاکے بنائے جاتے ہیں، علمائے دین کے خاکے بنائے جاتے ہیں۔ یہ بات سوچی نہیں جاسکتی تھی لیکن بنے ہیں کہ نہیں بنے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کو تنازع میں لے کر آنا ہے یعنی کوئی سوچ سکتا تھا کہ کسی عالم دین کی mimicry ہوگی اس کا بھیس بدل کے اس کا مذاق اُڑایا جائے گا۔ اب یہ میڈیا پر صبح شام ہو رہا ہے لیکن کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگ رہی۔ ہر طرح کے taboo توڑ دیے ہیں کوئی تقدیس باقی نہیں رکھی۔ اگر آپ left کے یا لبرل لوگوں کی سوشل میڈیا پہ ان کی presence دیکھیں تو ایک بات وہ بار بار کہتے ہیں کہ اس ملک میں دو مقدس گائے ہیں اور ہم نے ان دونوں مقدس گائیوں کو گرانا ہے dismantle کرنا ہے profane کرنا ہے۔ ایک ہے اسٹیبلشمنٹ ایک ہے اسلام۔ یہ روزمرہ کی عام بات ہے اس taboo کو بھی توڑنا ہے کہ اس کے بارے میں بات نہیں ہوسکتی اور دوسرا مذہب کے بارے میں ہم پابندیاں لگا دیں گے BLASPHEMY ہو جائے گی، یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا، چیزوں کو کھولو اور آپ کو ڈر کیوں لگتا ہے اگر آپ کا مذہب حق پر ہے تو آپ باتیں کرنے دیں۔ جو چاہے کوئی بک بک کر دے آپ اس کو اجازت دے دیں۔ یہ چاہ رہے ہیں کہ تقدیس ختم ہو جائے۔ کسی چیز میں کوئی تقدس کا پہلو نہ رہے اور سب لوگ برابر ہیں یعنی لوگ یونیورسٹیز میں اساتذہ سے ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے مذاق

کرتے ہیں ان سے سگریٹ لے کے پی لیتے ہیں۔ یہ عام بات ہے۔ اور کہتے ہیں کہ دیکھیں کتنا دوستانہ ماحول ہے۔ یہ بات سوچی نہیں جاسکتی تھی کہ استاد شاگرد کے رشتے میں اس طرح کی بات پیدا ہو جائے اور جس طرح لوگ اپنے والدین کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہے ہیں۔ وہ جو اللہ کے نبی ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ اَنْ تَلِدَ الاَمَۃُ رَبَّتَھَا ''لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی''۔ نظام اقدار بالکل تلپٹ ہو جائیں گے۔ مغرب میں تو یہ بہت حد تک ہو چکا ہے ہمارے ہاں بھی اس کے مظاہر اب آہستہ آہستہ سامنے آنے لگے ہیں۔ ہمارے ہاں اللہ کا شکر ہے کہ جو چیزیں آ رہی ہیں وہ trickle down effect سے آ رہی ہیں لیکن آ رہی ہیں اور بہت غیر محسوس طریقے سے seeping کر رہی ہیں اور خاص طور پر ہماری ایلیٹ کلاس میں تو بہت کچھ آ چکی ہیں۔ آپ کو شاید اندازہ نہیں ہے کہ آپ کی ایلیٹ طبقات میں آپ جیسے سینکڑوں لوگ ایسے ہیں شاید ہزاروں ہوں کہ جو مغرب کے اس ماڈل پر عمل کرتے ہیں جس کو living together کہتے ہیں اور وہ ساتھ رہ رہے ہیں اور کھلے عام رہ رہے ہیں۔ اور یہ نکاح کیا ہے، یہ فضول ڈھکوسلے ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ وہاں کی جو نحوستیں تھیں وہ ذلالتیں آہستہ آہستہ ہمارے سماج یا کم از کم ایلیٹ طبقات میں تو آنی شروع ہو گئی ہیں اور خدانخواستہ اگر کوئی بند نہ باندھا گیا تو پھر یہ نیچے بھی آتی ہیں، اس کا trickle down effect آپ کے سماج میں نیچے بھی ہوتا ہے۔

ترقی اور معیارِ زندگی میں اضافہ

پہلے ترقی اور معیارِ زندگی میں اضافہ قابل قدر کام نہیں تھے لیکن اب ترقی اور معیار زندگی میں اضافہ ہی اصل قابل قدر کام قرار پائے۔

انسان زندگی سہولت سے گزار لے، اچھے سے گزار لے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات پر چلتے ہوئے اگر انسان امیر ہو تو اس میں کوئی خرابی کی بات نہیں ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ ویلیو آپ کس چیز کو دیتے ہیں۔ کیا یہ آپ کا گول بن گیا ہے؟ کیا یہ آپ کی سب سے بڑی قدر بن گئی ہے؟ تو سیدنا عثمان، سیدنا عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہما امیر آدمی تھے اور آج کے معیار پر بھی کافی امیر آدمی تھے لیکن ان کا مال ہر وقت دین کے ڈسپوزل پہ ہوتا تھا اور مقصود ان کا اللہ تعالیٰ کی رضا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی پیروی تھا۔ تو آج بھی آپ دیکھیں کہ بہت الحمدللہ مالدار لوگ ہیں لیکن ان کا مال دین کے کاموں کے لیے لگتا رہتا ہے۔ اتنے بڑے بڑے کام آپ کے سماج میں ہو رہے ہیں، دینی کام ہیں، مدارس ہیں وہ اسی وجہ سے ہیں کہ کچھ لوگوں کو اللہ نے پیسہ دیا ہے اور اس پیسے میں سے بڑا حصہ وہ ان کاموں میں لگا رہے ہیں۔ ضرورت سے زائد ہوگا تبھی یہ سب ہو پائے گا۔ ہم ایسا نہیں کہہ رہے ہم نہ کوئی have اور have not کی طبقاتی تقسیم کرنا چاہ رہے ہیں۔ لیکن بات یہ ہو رہی ہے اصل معیار یہ تھا اصل قدر یہ تھی ہم کس کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہی بات جو میں نے پہلے کہی کہ آپ اپنی اولاد کو کیسا دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ہم دیکھتے ہیں ہمارے ہاں بہت سے لوگ ہیں وہ اپنی اولاد کو علماء کی مجلس میں لے کر جاتے ہیں ان سے ملواتے ہیں یا روحانی شخصیات کے پاس لے کر جاتے ہیں احترام بھی ہے ادب بھی ہے لیکن بہت کم یہ دل میں آتا ہوگا کہ میرا بیٹا ایسا بن جائے۔ مطلب وہ چاہتے ہیں کہ عزت واحترام رہے لیکن بہرحال کام تو تم نے وہی کرنا جو ہم کر رہے ہیں۔ تو اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کی اصل قدر ہے کیا؟ آپ اپنے لیے کیا پسند کرتے ہیں آپ اپنی اولاد کے مستقبل کو کیسا دیکھتے ہیں۔ تو یہ ایک مسئلہ پیدا ہو گیا کہ ہمارا احساس یہی ہے کہ اچھے لوگوں سے نیک لوگوں سے تعلق وغیرہ تو ہونا چاہیے لیکن بہرحال دنیاوی اعتبار سے تو یہ لوگ کہیں پہ بھی نہیں فال کرتے۔ تو اس سے پتا لگ جاتا ہے کہ اقدار ہماری اصل میں کیا ہے۔ یہاں پر بھی یہی کہا جا رہا ہے کہ روپیہ پیسہ یا ترقی یا دنیا میں progress یہ قدریں پہلے اعلیٰ نہیں تھیں، یہ summum bonum نہیں تھا، یہ ایک مقصد کے لیے ذریعہ تھا اب یہ مقصد بن گیا ہے۔ اور پھر بات وہاں تک پہنچتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ آدمی باقاعدہ روپے پیسے کا پجاری بن جاتا ہے یعنی جس جگہ خدا ہے اس جگہ درہم ودینار آ جاتے ہیں۔ **تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ** ’’درہم ودینار کا بندہ ہلاک ہو گیا یا ہلاک ہو جائے‘‘۔ (بخاری)۔ تو یہ صورت حال نہیں ہونی چاہیے۔ باقی مال اللہ کا فضل ہے اللہ کی طرف سے خیر ہے اور نعمت ہے اس کو شکر گزاری سے لینا چاہیے اور مال کے بارے میں حقارت کا رویہ بھی ٹھیک نہیں ہے وہ ایک تکبر بھی ہو سکتا ہے اور ناشکری بھی ہو سکتی ہے لیکن پھر میں عرض کر رہا ہوں اور بار بار یہ بات عرض کر رہا ہوں کہ یہاں جو بات کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اصل قابل قدر چیز کیا ہے؟

اگر اصل قابل قدر چیز دنیا ہے اور اس کی ترقی ہے اس کے مناصب ہیں تو پھر یہ معاملہ خراب ہو گیا ہے گڑ بڑ ہو گیا ہے۔

روحانیت کے بجائے نفسیات

عہد قدیم میں نفسِ انسانی روحانی یعنی soul تھا لیکن اب نفسِ انسانی میں soul کی جگہ spirit mind شعور، ذہن اور بالآخر psyche نے لے لی۔ جو بات میں نے ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ کی بتائی تھی کہ abstract کی نسبت concrete کی طرف ذہن گیا۔ علامہ اقبال نے بھی اس بات کو کہا ہے کہ habbits of concrete thoughts جدید آدمی concrete thoughts اس کی habits ہیں۔ تو اس کی وجہ سے پہلے کیا ہوا؟ پہلے دیکارت سے شروع ہو گیا body and mind پھر مائنڈ کے اندر بھی ایک metaphysicality تھی۔ پہلے تھا جسم اور روح پھر کہا کہ نہیں جسم اور ذہن۔ پہلے کیا تھا کہ انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے: جسم، نفس اور روح۔ یہ آپ دنیا کی تمام روایتوں میں دیکھ لیں۔ نام الگ الگ لیکن یہ جو تین جہتی تصور ہے انسان کا وہ تھا۔ ایک انسان کا جسم ہے ایک اس کا نفس ہے اور ایک اس کی روح ہے سب سے پہلے excepting کیا کی؟ روح کو نکال دیا۔ روح کیا ہوتی ہے؟ اسے جانے دو بس مائنڈ اصل ہے۔ لیکن اس نفس کے اندر بھی metaphysicality پائی جاتی تھی۔ اب جدید تصور کیا ہے کہ مائنڈ یا سائیکی بھی نہیں ہے بلکہ برین ہے۔ برین کیا ہے؟ ایک فزیکل آرگن ہے۔ آپ سمجھ لیں اصل میں کیا کہہ رہے ہیں body and brain یعنی body and body اس وقت جو سائیکالوجی ہے وہ clinical psychology ہے کہ انسان کے اندر ایک عضو ہے اور وہ عضو کچھ نیورانز وغیرہ ہیں کچھ اس میں کیمیکلز ہیں اس کے آگے پیچھے سب کچھ ہوتا ہے۔ خوشی غمی راحت غصہ انتقام محبت ہر ایک کی ایک گولی ہے pill ہے خوش ہونا چاہتے ہیں یہ گولی کھا لیں غصے میں آنا چاہتے ہیں تو یہ گولی کھا لیں آپ کو ڈپریشن ہو رہا ہے یہ کھا لیں بہت ہائپر ہو گئے ہیں نیچے آجائیں یہ گولی کھا لیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی metaphysicality نہیں ہے یہ بالکل ایک pure physyological آرگن ہے۔ اب body and brain کہنا absurd ہے تو پھر برین بھی پوری طرح bodily ہی ہے۔ تو آپ دیکھیں کہ reduce

کرتے کرتے صرف جسم رہ گیا ہے کیونکہ وہ جو مائنڈ تھا یا وہ جو سائیکی تھی وہ بھی اب جسمانی ہوگئی ہے یعنی وہ بھی material ہوگئی ہے وہ بھی bodily ہوگئی ہے۔تو یہ ایک سفر یہاں پر ہوا ہے اور اس کے اخلاقی نقصان بہت ہیں۔

اصل حقیقت کی پہچان کا انکار

قدیم علمی تناظر بتاتا تھا کہ حقیقت کا ڈھانچہ موجود ہے ہمارا ذہن اگر اسی طرح پہچان لے جیسا کہ حقیقت ہے تو ہم حقیقت کو پہچان لیں گے حقیقت موجود ہے انسان خالق حقیقت نہیں نہ حقیقت خلق ہوسکتی ہے۔

وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حقیقت موجود ہے اور حقیقت کو ہم پہچان سکتے ہیں۔اب کیا ہوا؟ اب کانٹ نے بتایا کہ حقیقت کا کوئی ڈھانچہ کائنات میں موجود نہیں ہے اصل حقیقت تو میرا ذہن ہے جو حقیقت کو ڈھانچے مہیا کرتا ہے انسان حقیقت کا حامل ہی نہیں حقیقت کا خالق و عالم بھی ہے۔ میں جو خلق کرتا ہوں وہی حقیقت ہے میں دنیا کو ویسا بنا دوں گا جیسا بنانا چاہوں گا۔

آپ کہہ لیں کہ انھوں نے چیزوں کی definations بدل دیں، حقیقت کا تصور ہی یہ تھا کہ وہ مجھ سے باہر اور objectivly موجود ہے۔ مجھے کیا کرنا ہے مجھے یہ صلاحیت دی گئی ہے کہ میں حقیقت کو دریافت کرسکتا ہوں یا میں حقیقت کو تسلیم کرسکتا ہوں۔ مذہبی روایت یہ کہتی تھی کہ حقیقت کا علم مجھے خارج سے وحی کے ذریعے دیا جائے گا اور philosophical speculative traditions کیا کہتی تھیں کہ حقیقت کا علم میں اپنی ذہنی قدوکاوش سے حاصل کرسکتا ہوں لیکن دونوں میں کیا بات common تھی کہ حقیقت مجھ سے باہر objectivly موجود ہے مجھے بس اس کو یا تو ماننا ہے یا دریافت کرنا ہے۔ جدید تصور یہ ہے کہ اول تو حقیقت جن معنوں میں پہلے لوگ سمجھتے تھے اس کا کوئی وجود نہیں ہے there no reality with the capital R اب realities ہیں حقیقتیں ہیں چھوٹی چھوٹی جیسے thay's no truth with the capitalty thay are multipal truths اسی طریقے سے حقیقت ان بڑے معنوں میں تو وجود ہی نہیں رکھتی، حقیقتیں ہیں اور وہ حقیقتیں ایک بات یہ ہے کہ مجھ سے باہر نہیں ہیں میں نے ہی ان کو خلق کرنا ہے میں نے ہی ان کو بیان کرنا ہے۔ یعنی پہلے تصور کیا تھا یہ حق ہے یہ

باطل ہے یہ خیر ہے یہ شر ہے یہ حسن ہے یہ قبح ہے مجھے فری ول دی گئی ہے کہ میں ان کے درمیان opt کروں۔اب جدید بلکہ جدید سے آگے پوسٹ ماڈرن پلس جدید تصور ہے کہ مجھے خیر کو خلق کرنا ہے۔جس کو میں خیر کہوں وہ خیر ہے،جس کو میں شر کہوں وہ شر ہے،جس کو میں حسن کہوں وہ حسن ہے،جس کو میں قبح کہوں وہ قبح ہے،جس کو میں صحیح کہوں وہ صحیح ہے جس کو میں غلط کہوں وہ غلط ہے اور وہ بھی میرے لیے ہے۔یعنی جدیدیت میں تو یہ تھا کہ نہیں وہ سب کے لیے ہوگا پلس جدیدیت میں اس سے آگے نکل گئے۔اس نے کہا کہ کوئی یونیورسل نہیں ہوتا۔کوئی یونیورسل سچائی اور حقیقت نہیں ہوتی۔ ہر آدمی کی اپنی حقیقت ہے ہر آدمی کا اپنا خیر ہے اور اس کا ایفیکٹ ہم دیکھتے ہیں ہمارے سماج میں بھی۔دیکھیں کوئی چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی یہ تو ہمارا تناظر ہے اینگل ہے۔ سنا ہوگا آپ نے یہ۔نہیں نہیں تم ٹھیک کہہ رہے ہو یعنی ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی کہے کہ مجھے چائے پسند ہے یا کوئی آدمی کہے کہ مجھے کافی پسند ہے تو اسی طرح ہے کہ کوئی آدمی کہے کہ میں چائے کو اچھا سمجھتا ہوں یا لسی کو اچھا سمجھتا ہوں اور میں شراب کو اچھا سمجھتا ہوں کوئی اس میں فرق نہیں ہے۔یہ آپ کی اپنی چوائسز ہیں۔میں تو شادی کے ادارے پہ belief کرتا ہوں ہاں میں believe نہیں کرتا تو پھر بحث کی کیا ضرورت ہے آپ کا اپنا perspective ہے میرا اپنا perspective ہے۔کوئی اس میں بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ کوئی ایک چیز تو ہے ہی نہیں آپ کے لیے یہ آپشن ٹھیک ہے میرے لیے یہ آپشن ٹھیک ہے اور سب سے اچھی بات کیا ہے۔clurelisam کا تقاضا کیا ہے کہ سب لوگ ہنسی خوشی ایک دوسرے کے ساتھ جییں۔آپ نے کبھی کالمز پڑھے ہیں ہمارے جو لبرل اور سادہ لوح قسم کے کالم نویس لکھتے ہیں کہ آپ دیکھیں جی ہمارے ہاں جتنی تنگ نظری ہے تنگ دلی ہے مغرب میں بالکل نہیں ہے۔آپ انگلینڈ چلے جائیں وہاں ایک طرف شراب خانہ ہے ایک طرف پب ہے ایک طرف نائٹ کلب ہے اور وہیں اسلامک سنٹر بھی ہے اپنی اپنی مرضی ہے کوئی ادھر جا رہا ہے کوئی ادھر جا رہا ہے ادھر جانے والے ان کو کچھ نہیں کہہ رہے ادھر جانے والے ان کو کچھ نہیں کہہ رہے۔کتنا اچھا معاشرہ ہے،کتنا خوبصورت منظر ہے کہ سب لوگ پیار محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں۔آپ نے یہاں گھٹن پیدا کر دی اس پہ پابندی اس پہ پابندی یہ وہ اس سے ایک تخریبی گھٹن پیدا ہو رہی ہے اس سے

منافقت پیدا ہو رہی ہے، کھول دیں ہر چیز کو تاکہ لوگوں کے پاس چوائسز رہیں اور وہ سہولت سے ان چوائسز پر چلیں، کوئی کسی کو غلط نہ کہے۔ اس کو وہ رواداری کہتے ہیں۔ لیکن اصل میں رواداری کا مطلب یہ تھا کہ میں صحیح ہوں تم غلط ہو لیکن میں تمہیں جینے کا موقع دوں گا۔ اب رواداری کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صحیح اور غلط ہوتا ہی نہیں ہے، آپ کا صحیح اور ہے میرا صحیح اور ہے، آپ کا غلط اور ہے میرا غلط اور ہے، یہ رواداری کے خلاف ہے کہ آپ کہیں کہ تم غلط ہو۔ کچھ مذہبی مفکرین میں بھی یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ کسی کو کافر نہیں کہنا، تکفیر نہیں کرنی، یہ بالکل غلط بات ہے، اللہ کے نبی کر سکتے تھے اور اب کوئی نہیں کر سکتا بس زیادہ سے زیادہ غیر مسلم کہہ دیں۔ کیونکہ اس سے بہر حال ان کی عزت نفس پہ حرف آئے گا وہ ناراض ہو جائیں گے اور کیا کہیں گے کہ تم نے مجھے کافر کہہ دیا۔ تو یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ آپ دیکھیں کہ رواداری یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب اسلام اور کفر کی وجودی demarcation تھی polarization تھی اس کا بھی لوگوں نے انکار کرنا شروع کر دیا اور سب مسلمان ہیں جو بھی اچھا آدمی ہے جو اللہ کو مانتا ہے وہ سب مسلمان ہیں۔ مسلمان کا مطلب کیا ہوتا ہے مومن کون ہوتا ہے؟ مومن وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو امن دیتا ہے۔ اسلام کہاں سے نکلا ہے اسلام نکلا ہے سلامتی سے تو اسلام سلامتی سے نکلا ہے یا اسلام فرمانبرداری سے نکلا ہے مطلب وہ orientation شروع یہاں سے ہوں گے کہ اسلام سلامتی سے اور دیکھیں حدیث ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِن لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ (متفق علیہ) اس defination پہ تو مغرب کے لوگ اصل میں مسلمان ہیں۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے اتنے اچھے پیارے لوگ ہیں ادھر جا رہے ہیں ادھر جا رہے ہیں فلاں بھی کر رہے ہیں کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہے۔ وہ اگر کوئی اپنی آزاد مرضی سے کوئی جنسی تعلق کر رہے ہیں کسی کو نقصان تو نہیں پہنچا رہے۔ وہ شراب پی رہے ہیں کرپشن تو نہیں کر رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے ماں باپ کو اٹھا کے گھر سے باہر پھینک دیتے ہیں تو وہ لائن تو نہیں توڑتے، اتنے اچھے لوگ ہیں لائن میں لگے رہتے ہیں اچھے بچوں کی طرح اور بالکل لائن سے سارے کام کرتے ہیں۔ اصل میں اسلام وہاں پہ ہے۔ اس طرح کی گفتگو نہیں سنی آپ نے؟ یعنی جو وہاں کا چکر لگا کے آ جائے اس کو لگتا ہے کہ اصل اسلام تو وہاں ہے۔ لوگ اسلام کے نام لیوا بن کے وہاں

جاتے ہیں اور وہاں جا کے پتا لگتا ہے کہ اصل اسلام ہمارے ہاں مسلم معاشروں میں کلمہ ہے اسلام نہیں ہے اور مغرب میں اسلام ہے اور کلمہ نہیں ہے۔ اسلام کسے کہتے ہیں؟ اسلام disipline کو کہتے ہیں۔ اسلام اس کو کہتے ہیں کہ صفائی ہونی چاہیے اسلام اس کو کہتے ہیں کہ لائن میں کھڑا ہونا چاہیے اسلام اس کو کہتے ہیں کہ رشوت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ بھی ہوگا اسلام یقیناً لیکن یہ وہی اسلام ہے۔ اسلام اگر حیا نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اسلام اگر تواضع نہیں ہے تو کیا ہے؟ اسلام اگر بڑوں کا اکرام نہیں ہے تو کیا ہے؟ اسلام اگر چھوٹوں پر رحم نہیں ہے تو کیا ہے؟ یعنی وہ تہذیب جو ہر سال لاکھوں بچے مار دے ابیورشن کے نام پہ ان کو آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ انسانیت کے مرتبے پر ہیں؟ جو اپنے ماں باپ کو دھتکار کے گھر سے نکال دیں ان کو آپ کہتے ہیں کہ یہ اسلام ہے؟ تین چار چیزیں پکڑنی ہیں اور جس کا تعلق دنیاوی ترقی سے ہے دنیاوی نظم سے ہے اس کو اسلام قرار دے دیا ہے، اس پہ سر مارتے رہتے ہیں کہ واہ واہ! کیسے لوگ تھے کس طرح کے لوگ تھے۔

نشست کے اختتام پر سامعین کی طرف سے کچھ سوال کیے گئے اور مقرر نے ان کے جواب دیے۔ یہ سوال و جواب بھی اہم ہیں اس لیے شاملِ اشاعت کیے جا رہے ہیں۔

سوال و جواب

سوال: Clinical Psychological کے اخلاقی نقصانات کا آپ نے ذکر کیا تھا، اس کی کچھ وضاحت فرما دیں۔

جواب: مطلب یہ ہے کہ آپ کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا، اس جذبے کی وجہ سے آپ کے ذہن میں Hormonal Gush ہوا، جس کی وجہ سے ایک کام انجام پا گیا۔ یعنی کسی وجہ کو Cause اور اس کام کو Effect بنا دیا جاتا ہے۔ ایک فرد کے نفس میں انتقام کا جذبہ پیدا ہوا، اس سے اس کے اندر وہ سارے ردِعمل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس اندازِ فکر سے Determinism کے سوا کچھ نہیں نکلتا اور اس تصور کے بعد free will کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔ نیز، کسی آدمی کو کسی فعل کا ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اگر کوئی فرد کسی کو قتل کر دے تو اس نظریے کے تحت قاتل rush of blood سے مجبور ہو گیا تھا یا کچھ خاص طرح کے ہارمونز تھے جنھوں نے اس فرد پر اثر کیا۔ اس لحاظ سے کوئی فرد، کسی بات کا ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس طرح کی جتنی psychological

theories ہیں یا neurological theories ہیں وہ سب کی سب deterministic ہیں۔ free will صرف مذہب کے ذریعے ثابت کی جاسکتی ہے۔ دنیا کا ہر علم اسی determinism کے جبر کے سوا کچھ نہیں دکھاتا۔ اس طریقے کی theorization کے ساتھ مسائل جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور تم نے دیکھا نہیں کہ جب انسان کبھی غصے میں ہوتا ہے تو اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ ایک جذبے کا اظہار اس کے جسم پر ہونا، اس کا انکار نہیں ہے۔ Academia میں اس طرح کی مباحث کر لی جائیں تو کسی حد تک قابل قبول ہیں، لیکن اس کی implications جہاں تک جاتی ہیں وہ ناقابلِ قبول ہیں۔ مثلاً، ایک انسان ایک دم اپنے باپ کو مارنا شروع کر دے پھر تھوڑی دیر بعد اس کے ہاتھ چومنا شروع کر دے کہ اس وقت وہ والا ہارمون چل رہا تھا اور اب یہ ہارمون چل رہا ہے، اس طرح سے تو دنیا مہمل ہو جائے گی۔

سوال: کیا مغرب کا ٹیکنالوجی میں lead کرنا اور ہمارا پیچھے رہ جانا، مغرب کی لیاقت اور ہماری نالائقی کی دلیل نہیں ہے؟

جواب: جدید مغربی تہذیب اور ٹیکنالوجی کا معاملہ اتنا سادہ سمجھ لینا کہ مغرب ہم سے اس لیے آگے ہے کہ وہ محنتی ہیں اور ہم نالائق ہیں، یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ اگر اس معاملے پر غور کیا جائے تو اس کے پیچھے slave trade colonialism اور exportation of resources ہے۔ مغرب سے پیچھے رہ جانے کی وجہ ہمارا نالائق اور بے وقوف ہونا اور ان کا اچھا ہونا آدھی بات ہے۔ پوری بات یہ ہے کہ انھوں نے کئی برِاعظم اجاڑ دیے، کروڑوں ریڈ انڈینز کو مار دیا، انھوں نے آسٹریلیا کے لاکھوں Aborigines کو مار دیا، لاکھوں سیاہ فام زنجیروں میں بند کر کے غلام بنا لے گئے۔ اس سب میں کچھ فطری نہیں ہے۔ ہمیں اس سارے process کا نتیجہ نظر آتا ہے جس کی وجہ سے ہم ان کی مداحی میں لگ جاتے ہیں۔ darker side of democracy/ technology/ modernity پر اگر غور کیا جائے تو صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔

سوال: کیا ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال ہمارے مسائل کم کر سکتا ہے؟

جواب: یہ خیال کرنا کہ سائنس، ٹیکنالوجی اور ٹیکنالوجی کے مظاہر value neutral ہیں،

اگر اچھا انسان، اچھی سوچ کے ساتھ وحی کی روشنی میں اس کو استعمال کرے گا تو اس سے اچھے نتائج نکلیں گے اور اگر برا آدمی، برے مقاصد سے اس کو استعمال کرے گا تو اس کے برے نتائج نکلیں گے اس بات کو علم کی دنیا میں کوئی نہیں مانتا۔ ٹی وی ایک میڈیم ہے جس کے اندر کچھ چیزیں ingrained ہیں، وہ اس میں سے نہیں نکالی جاسکتیں۔ اگر مذہب بھی ٹی وی پہ آئے گا وہ بھی انٹرٹینمنٹ کے mode میں آئے گا۔ کیا کوئی سوچ سکتا تھا کہ قرآن وحدیث کا درس کنسرٹجی سے سیٹ پہ کھڑے ہو کر دیا جائے۔ کوئی آدمی یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ سمارٹ فون نے ہمیں religiously corrupt نہیں کیا۔ جو انسان سمارٹ فون رکھتا ہے، وہ لازماً اس کے دینی لحاظ سے مضر اثرات دیکھتا ہے۔ اگر کوئی انسان، اپنے موبائل پر مذہبی پروگرام بھی دیکھ رہا ہو تو ساتھ ہی کچھ ایسے اشتہار آجائیں گے جو غیر متعلق اور اس بھی آگے بڑھ کر بے ہودگی تک پہنچے ہوئے ہوں گے۔ ٹیکنالوجی کو value neutral سمجھنا اور ان کا استعمال ان کو اچھا یا برا بناتا ہے، یہ سادہ لوحی پر مبنی خیال ہے۔ جدید تہذیب کے کچھ artifacts ہیں جن کو آپ اس سے باہر نہیں نکال سکتے۔

سوال: ٹیکنالوجی کے نقصانات سے بچنے کے لیے اس کا بالکلیہ بائیکاٹ مناسب ہوگا؟

جواب: چونکہ یہ چیزیں بھی ناگزیر ہوگئی ہیں اس لیے ان کا بالکلیہ ترک تو ممکن نہیں ہے البتہ اس کے اثرات کو minimize کرنا درست سمت میں ایک اہم قدم ہے، چونکہ یہ چیزیں بھی ناگزیر ہوگئی ہیں تو پہلی سطح پر کم از کم یہ آگاہی پیدا ہونا ہی بہت ضروری ہے کہ ان کے ضرر کو کیسے minimize کیا جاسکتا ہے۔ فی الحال مسئلہ یہ ہو رہا ہے کہ مذہبی لوگوں تک میں اس بات کا خیال نہیں ہیا اور وہ اس کو value neutral سمجھتے ہیں۔ پہلی سطح پر، اس کو problematize کرنا بہت ضروری ہے، اس کے بعد اس کا ناگزیر ہو جانے کی وجہ سے ایک necessary evil کے طور پہ قبول کرنا چاہیے اور پھر اس کے محتاط استعمال پر گفتگو ہونی چاہیے۔ اس کے مقابلے میں اگر اس ٹیکنالوجی کو اللہ کی نعمتیں سمجھ کر ہر نئی آنے والی چیز کی طرف لپکنا شروع کر دیا جائے اور اس کو کسی طریقے سے اسلامائز کیا جائے تو مسائل میں اضافہ ہو جائے گا۔

سوال: آپ نے کہا کہ اپنی اولاد کے متعلق یہ خواہش رکھنی چاہیے کہ وہ مذہبی پیشواؤں جیسے بن جائیں۔ تو کیا یہ اپنی بڑائی یا تکبر کی علامت نہیں ہے؟

جواب: پیشوا یا مقتدیٰ بننے کی خواہش ہونا اور بات ہے اور اپنے باطن میں ایسے اوصاف پیدا کرنا اور بات ہے۔ یہ دین کا تقاضا نہیں ہے کہ سارے لوگ عالم یا پیر طریقت بنیں البتہ معاشرے میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو لوگوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ یہ میرا بیٹا بھی ہوسکتا ہے چاہے ہم بیٹے کے لیے اس منصب کی تمنا نہ بھی رکھیں لیکن یہ آرزو رکھنا بہت مبارک ہے کہ ہمارا بچہ ان جیسا نیک بنے، جس طرح ہر آدمی کے دل میں قتال کی آرزو ہونی چاہیے بھلے زندگی میں موقع آئے یا نہیں۔ کم از کم آرزو کی سطح پر اس کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔ کسی کے عالم یا کوئی بڑا روحانی پیشوا بننے میں بہت سے factor ہوتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے تکوینی معاملات شامل ہیں۔ یہ آرزو نہایت اہم ہے کہ ہماری اولاد بھی ایسی نیک اور صالح بنے جس سے لوگوں کو خیر اور نفع پہنچے، یہ انجینئر یا ڈاکٹر بن کر بھی ہوسکتا ہے۔ شروع یہاں سے کرنا چاہیے کہ ہمیں ان لوگوں کے لیے اپنی اولاد کو نافع بنانا ہے اور اگر وہ بڑے ہو کر تھوڑا سا شعور کی عمر کو پہنچ کر کہیں کہ مجھے عالم دین بننا ہے تو پھر رکاوٹ نہ بنیں۔ یہ بھی کوئی دین کا تقاضا نہیں ہے کہ اگر کسی کے پانچ بیٹے ہیں تو ان سب کا عالم بننا ضروری ہے، اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ان پانچوں کو ڈاکٹر یا سائنس دان بنایا جائے۔ بعض اوقات کچھ کا میلان نہیں ہوتا اور اگر زبردستی کی جائے تو اس کا ردعمل بھی ہو جاتا ہے۔ اصولی بات یہی ہے کہ ہمیں بھی صاحب خیر بننا ہے اور اپنی اولاد کو بھی ایسا بنانا ہے کہ ان سے خیر اور بھلائی پھیلے۔

دنیا تباہی کے دھانے پر

مولوی محمد انور چیمہ قادری
ایم ایس سی ایگری کلچر یونیورسٹی، فاضل درسِ نظامی جامعہ رضویہ فیصل آباد،
فاضل اسلامک لا انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا

جب قوموں کی روح مردہ ہو جاتی ہے وہ اپنے ہی آئین سے منحرف ہو جاتی ہیں اور ان چیزوں کو سوچنا شروع کر دیتی ہیں جو قدرت کاملہ کے مالک نے انسان کے دائرہ اختیار سے باہر رکھی ہیں اور انسان بھول جاتا ہے کہ میرا دائرہ اختیار کیا ہے۔اس مالک حقیقی خالق کائنات کے اختیارات تو بے کنار ہیں۔قومیں بے روح اس وقت ہو جاتی ہے جب مادہ پرستی عالمی معیار انسان بن جاتی ہے اور ہر کوئی کہہ اٹھتا ہے: ''باپ بھلا نہ بھیا۔سب سے بھلا روپیہ''۔جسے اہل نظر دجالی نظریہ یا مشرکانہ سوچ کہتے ہیں۔

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال مومن کا بے زری سے نہیں

آج دنیا پر ایک نظر ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ فسق و فجور علانیہ، منشیات کا استعمال سرِعام، بدبودار خصائل، عبادت گاہیں مزین عبادت گزار غیر حاضر، جاہل پیشوا۔

یہ علم یہ حکمت، یہ تدبر یہ حکومت پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

جب پیشواؤں کی یہ حالت ہو تو عذاب کا گڑھا دور نہیں۔آج یہ کہا جاتا ہے کہ بنگلہ دیش بہت آگے

نکل گیا ہے، یہ نہیں بتاتے کہ ایک کروڑ بنگلہ دیشی باشندے ہندوستان جا کر کیوں در بدر نوکری کی بھیک مانگتے ہیں اور 50 ہزار خوبصورت دوشیزائیں ہندوستان میں جسم فروشی کے اڈوں کو آباد کرنے کیوں جاتی ہیں۔ دنیا کی ابتری تو یہاں تک آ پہنچی ہے کہ 2006ء میں جرمنی کے شہر کولون میں فٹ بال ورلڈکپ کی رونقیں لگیں، دنیا بھر سے رنگ برنگی جسمانی تناسب والی خوبصورت 40 ہزار دوشیزاؤں نے اپنا حسن و جمال فروخت کرنے کے لیے بارہ منزلہ قحبہ خانہ (اڈا) پاشچا آباد کیا اور باقی ملک (جرمنی) میں پھیلا دی گئیں۔ جرمنی کی دیکھا دیکھی باقی دنیا نے بھی جسم فروشی نسواں اور ہم جنس پرستی (لواطت) میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ امریکہ کی نبراسکا یونیورسٹی نے اپنی ریسرچ رپورٹ 2008ء میں انکشاف کیا ہے انھوں نے کھیلوں کے مقابلوں کا جنسی سمگلنگ کے ساتھ تعلق کا جائزہ لیا اور اس قدر بھیانک نتائج سامنے کیے کہ جب کبھی دنیا کے کسی ملک میں کھیلوں کے میدان گرم کیے جاتے ہیں تو وہاں کے ہوٹل ٹورازم انڈسٹری میں جسم فروش عورتوں کا کاروبار چمک اٹھتا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے نامور ممالک میں تو سارا سال یہ دھندا چلتا ہے۔ اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ 1990ء میں تین لاکھ قریب البلوغ دوشیزائیں یورپ دوسرے ممالک سے منگواتا ہے، جرمنی میں جسم فروشی کے کاروبار سے ہر سال 19 ارب ڈالر حکومت کو کیش ہاتھ لگتا ہے۔ اسی طرح چین کو 2008ء میں اور جنوبی افریقہ کو 2010ء میں جرمنی سے بھی بڑھ کر آمدنی ہوئی۔

آپ آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ دنیا کس قدر خوفناک عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہی ہے کہ ایک نماز پڑھانے والے اور جمعہ کا خطبہ دینے والے خطیب کی معاشی حالت کا موازنہ ایک کنجریاں نچانے والے کی آمدنی سے کر لیں، صرف یہی نہیں، ایک عالم دین کی سرکار کے ہاں عزت سے ایک گلوکار کی عزت اور انعام و اکرام کا تقابلی جائزہ لے لیں۔ جب دلوں سے خیر خواہی حقیقت پسندی نکل جاتی ہے تو پھر آسمانی آفات انسان کو گھیر کر عذابِ الٰہی کا ایندھن بنا دیتی ہیں۔ ایک طرف سردی اور بھوک سے بچے ساری ساری رات بلبلاتے رہتے ہیں دوسری طرف برطانیہ کے شہر ایڈنبرا میں ماں اپنے بچے کو سونے کی چوسنی منہ میں دے کر شہد اور دودھ سے نہلا رہی ہے۔ بچہ کا نام جریم اکرم ہے۔ (اخبار 92)

امریکہ جو اپنے خیال میں دنیا کا مہذب ترین ملک ہے اس میں پندرہ سے بیس لاکھ حمل ساقط کیے جاتے ہیں اور ہائی سکول کی 45 فیصد قریب البلوغ لڑکیاں بدکاری کا شکار ہو کر تعلیمی ادارے کو خیر باد کہہ جاتی ہیں۔ ایک مشہور ریفارمر کہتا ہے کہ نیویارک کی تہائی آبادی جنسی بربادی کا شکار ہے۔ (ادارہ اشاعت اسلام کراچی)

کینیڈی نے 1962ء میں ایک اہم بیان دیا تھا کہ فوج میں شمولیت کے لیے آنے والے 80 فیصد نوجوان شہوت پرستی کی وجہ سے ناکام لوٹا دیے جاتے ہیں۔

امریکہ میں ایسی کاروباری تنظیمیں ہیں جو نوعمر لڑکیوں کو پکڑ کر یورپ کے دولت مندوں کی حیوانی شہوت پرستی کی بھینٹ چڑھا دیتی ہیں۔ یہ درجہ اول کا نفع بخش کاروبار سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ میں 25 لاکھ نابالغ بچے غربت اور نشہ کی عادت کے باعث جسم فروشی کر رہے ہیں۔ ایک مقامی انگریزی اخبار کے مطابق دنیا کی مشہور امریکن آکسفورڈ یونیورسٹی میں 51 فیصد طالبات نے تسلیم کیا ہے کہ وہ یونیورسٹی میں آنے کے بعد کنواری نہیں رہیں۔ 25 فیصد طالبات مانع حمل گولیاں استعمال کرتی ہیں۔ امریکہ کی ٹکساس ریاست کی آبادی 13 لاکھ میں سے 23 ہزار جنسی مجرم ریاستی جیلوں میں بند ہیں۔ اسی ریاست میں قانون بنا دیا گیا ہے کہ جنسی جنونی کو سرجری کے ذریعے نامرد بنا دیا جائے گا۔

فرانس دنیا میں اس بدمستی شہوت پرستی میں اول نمبر پر ہے۔ اسی وجہ سے فرانس جدید ترین مہلک اسلحہ کے ہوتے ہوئے جنگ ہار گیا کیونکہ فوج کے اندر ہائی لیول پر انہی بدکاریوں کی وجہ سے اندرونی نظام ختم ہو گیا تھا۔

برطانیہ جنسی بے راہ روی میں سب سے آگے ہے۔ لنڈن (انٹرنیشنل ڈیسک) کے مطابق کم سن بچوں سے گناہ کرانے کے لیے لائسنس یافتہ مردوں کے چکلے کھلے ہوئے ہیں۔ آسٹریا میں ایک کپڑے کی دکان والوں نے اعلان کیا کہ جو لوگ برہنہ حالت میں ان کی دکان آئیں گے ان کو 5000 (360 ڈالر) شلنگ دیے جائیں گے۔ سینکڑوں لوگ لطف اندوز ہوئے۔ (بیدار ڈائجسٹ مارچ 2000ء)

NCHS کے 1988ء جائزہ رپورٹ کے مطابق 15 سال سے 19 سال کی

54 فیصد لڑکیاں ایک بار جنسی تجربے سے پردہ بکارت سے محروم ہو چکی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق 1982ء میں ایسی لڑکیاں 47 فیصد تھیں۔ اس میدان میں پاکستان اور ہندوستان (بھارت) بھی کسی سے کم نہیں کوئی فیشنی اور مہنگا ہوٹل ایسا نہیں جہاں شراب سرو نہ کی جاتی ہو۔ تقریباً 20% بچے بچیاں تعلیمی اداروں میں نشے کے عادی ہیں۔ گاؤں میں دیسی ساخت کی چھوٹی چھوٹی بھٹیاں شراب کشیدگی کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ شراب کے بڑے بڑے کارخانے بڑے پیمانے پر الکحل تیار کرتے ہیں۔ دوائیوں میں اس کا عام استعمال ہے۔ شراب کے لائسنس بڑے فخر سے دیے جاتے ہیں۔ پاکستان کے علاقہ غیر میں 100 کے قریب ہیروئن کے کارخانے ہیں۔ لمبے لمبے ہاتھوں والے سمگلرز بڑی کمائی کرتے ہیں۔ بڑے بڑے سیاستدانوں کی اشیر باد انہیں حاصل ہوتی ہے۔ مقتدر لوگوں کے مفادات اوران کے راکھویں دہشت گرد اس کمائی پر پلتے ہیں۔ دوسری طرف دین دار کہلوانے والے لوگ ہیں۔ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتا ہوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهٗ، وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهٗ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى، عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودُ (مشکوٰۃ شریف وبیہقی شریف)

''اندیشہ ہے کہ لوگوں پر یعنی میری امت پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے رسم الخط کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ ان کی مساجد آباد تو بہت ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی۔ ان کے علماء آسمان کی چھت تلے بدترین انسان ہوں گے۔ فتنہ ان ہی کے اندر سے برآمد ہوگا اور انہیں میں واپس داخل ہو جائے گا''۔

اس کی جزوی مثال پیش کرتا ہوں گیارہ ستمبر 2001ء کے بعد دنیا کے مسلمانوں کا خون ارزاں بہنے لگا، کرۂ ارض اس خون سے رنگین ہوا، خاص کر 500 پاکستانی مسلمان بے گناہ امریکہ کے حوالے کیے گئے جو گوانتا ناموبے جیل میں گلتے سڑتے رہے، 97 ہزار دفعہ پاکستانی

اڈوں سے امریکی جہاز اڑ کر برادرِ اسلامی ملک افغانستان کے مسلمانوں پر کارپیڈنگ بمنگ کرتے رہے اور رہی سہی کسر اپنی مسلمان بہن ڈاکٹر عافیہ صدیقی امریکہ کے حوالے کر کے پوری کر دی۔ (اس کے بعد معلوم نہیں پاکستانی مسلمان کس منہ سے اس جہان کے سامنے زندہ رہے) اس پر کسی جماعت نے دھرنا نہیں دیا۔

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس! حجابِ محمل سے
محمل جو گیا عزت بھی گئی غیرت بھی گئی لیلیٰ بھی گئی

دنیا کے مسلمانوں کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ اپنا نجات دہندہ اپنے دشمنوں میں تلاش کرتے ہیں۔ بے شک اس وقت دنیا کے تمام مسلمان ممالک روس، چائنہ، فرانس، برطانیہ اور امریکہ جو بدترین اسلام دشمن کافر ممالک ہیں ان میں سے اپنا نجات دہندہ تلاش کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے روس کو اختیار کرو، کوئی کہتا ہے امریکہ کے سوا چارہ نہیں۔

دنیا میں بہتری کی طرف تبدیلی نہیں آئی صرف بدی نے اپنا بدترین بھیس بدلا ہے۔ اونٹ کے لیڈے پر شکر چڑھا کر گلاب جامن دکھایا گیا ہے۔ بکری کی مینگنی پر رنگین چینی چڑھا کر شکر پارے دکھائے جا رہے ہیں۔ مدینہ ریاست کے نام کے پیچھے یہودیت پھیلائی جا رہی ہے۔ خادم پاکستان شوکر کے پاکستان کا خون نچوڑ کر خون کی تھیلیاں بنا کر بیرون ملک سپلائی کی جا رہی ہیں۔ پوری دنیا میں یہی کچھ ہوا۔ دنیا کے ایک ایک ملک کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ جاپان آج سے دو صدیاں قبل دنیا کا سب سے بڑا بحری قزاق تھا آج تبدیل ہو کر اسی دنیا کی بڑی تجارتی منڈی بن کر دولت لوٹ رہا ہے۔ چین آج سے 84 سال قبل افیونی ملک مشہور تھا تبدیل ہو کر اپنی چالاک چالوں سے پوری دنیا کو رام کرنے میں مشہور ہے۔ برطانیہ 20 ویں صدی کے وسط تک اگر گورا کالے کو قتل کر دیتا تو سزا 13 روپے تھی آج تبدیلی کے نام پر مہذب ہونے کا دعویدار گریٹ برٹن بنا بیٹھا ہے۔ ملعون رشدی اور تسلیمہ نسرین بدکارہ اور دنیا کے پیشہ ور دہشت گردوں کی آرام دہ پناہ گاہ بنا ہوا ہے۔ سوئٹزرلینڈ جو کرائے کے فوجیوں کا کیمپ تھا آج تبدیل ہو کر شیر نے بکری کی کھال پہن کر دنیا بھر کی جائز ناجائز دولت چھپانے کا کیمپ بنا ہوا ہے۔ فرانس اٹھارھویں صدی تک شاہ فرانس ننگا ہی دربار میں آ جاتا اور ممبران ایوان دربار ہی میں پیشاب کر دیتے۔ آج

وہ فرانس دنیا کا خوبصورت ترین ملک مشہور ہے۔ دنیا کا اول درجہ کا عیاش ملک جدید ترین مہلک اسلحہ کے ہوتے ہوئے فوج بدکاری کی وجہ سے جنگ ہار گئی۔ امریکہ جو کسی زمانہ میں غلاموں کی بھاری منڈی بنا ہوا تھا، جہاں لاکھوں اصلی امریکی باشندوں کو قتل کیا گیا اور لاکھوں کو غلام بنا کر دنیا بھر میں فروخت کیا گیا، وہ آج دنیا کا وہ واحد بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔ امریکہ ملک میں تبدیلی آئی لیکن بدترین صورت میں لاکھوں بے گناہ لوگوں کو زہر آلود اسلحہ سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ فلسطین، عراق، افغانستان، شام اور متعدد دوسرے ممالک میں اپنی بالادستی کے لیے ہر ممکن نوع انسانی کا خون بہایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا تہذیب میں صرف نام کی تبدیلی آئی ہے۔

آخر میں عرض کرتا جاؤں قوموں کا اخلاقی زوال دشمنوں کے حملہ سے نہیں اندرونی خلفشار اور نظریہ سے انحراف سے آتا ہے۔ حکمران اشرافیہ کی ہوس مایہ اور ذاتی مفاد کا چلن وجہ بنتی ہے اور قوموں کے عروج دولت اور طاقت سے اگر آتے تو سوویت یونین (روس) اپنے جوہری ہتھیاروں اسلحہ کے انباروں تلے دب کر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوتا۔ روم جیسی بڑی سلطنت کا نام ونشان نہ مٹتا۔ اقوام کے عروج کے اسباب مادی دولت و طاقت نہیں۔ اگر مادیت میں اتنی طاقت ہوتی تو چند نہتے، چیتھڑوں میں ملبوس اور ٹوٹی ہوئی چپل پہننے والوں (طالبان) کے ہاتھوں امریکہ جیسی دنیا کی واحد سپر پاور مادہ پرست امریکہ کو شرم ناک شکست نہ ہوتی۔ اقتدار اور قدری عروج کے لیے جذبہ جہاد، قوتِ ایمانی اور نظریہ اقدار میں پختگی کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ غازی یہ ترے پر اسرار بندے　　جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا　　سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

یا اللہ! ہم مسلمانوں کی خطائیں سید الابرار احمد مختار ﷺ کے صدقے معاف فرما۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔　دلوں کو مرکز مہر و وفا کر　حریم کبریا سے آشنا کر۔ آمین

ہر درد مند دل کو رونا میرا رُلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

اسلامی جمہوریہ پاکستان
آئی ایم ایف کے سودی نظام کے شکنجے کو توڑنے کی ضرورت!

ابوفیصل محمد منظور انور

قیام پاکستان کے وقت سے لے کر ابتدائی تین چار سال تک سنگین ملکی مسائل کے باوجود ہماری نظریاتی اور معاشی ترقی اطمینان بخش تھی، ہم نے کئی ممالک کو قرض بھی دیا تھا اور معیشت بہتری کی سمت جارہی تھی۔ دینی مذہبی جماعتیں بھی اپنے باہمی اختلافات کے باوجود ایک پیج پر تھیں۔ تمام دینی جماعتوں کی طرف سے قراردادِ مقاصد کی شکل میں اہم دستاویز پر اتفاق رائے اور اسے آئین کا حصہ بنانا بے شک ایک قابل تحسین اقدام تھا جس سے اقوام عالم کو ہماری ملّی یکجہتی اور یگانگت کا پیغام مل رہا تھا۔ بدقسمتی کا آغاز اس وقت ہوا جب قائد ملت وزیراعظم لیاقت علی خان کو ایک سازش کے تحت شہید کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی وطن عزیز پر کسی آسیب کا سایہ چھا گیا جو 76 برس گزرنے کے باوجود ابھی تک ہمارے سروں پر موجود ہے پھر چل سو چل حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ اگلے سات سالوں میں خواجہ ناظم الدین سے لیکر فیروز خان نون تک چھ وزیراعظم آئے اور گئے 1951ء تک ایک انگریز جنرل ڈگلس گریسی پاک آرمی کا چیف تھا پھر جنرل ایوب خان نے بطور آرمی چیف عہدہ سنبھال لیا۔ مسلم لیگ پاکستان کی بانی سیاسی جماعت تھی مگر آئین سازی نہ کرسکی اور 1947ء سے 1956ء تک ملک آئین کے بغیر ہی چلتا رہا اور پورے پاکستان میں عام انتخابات بھی منعقد نہ ہوسکے۔ 1956ء میں آئین تو بن گیا مگر سیاسی عدم استحکام رہا۔ جس دن پاکستان سیٹو سینٹو کا رکن بنا اسی دن وطن عزیز امریکی کالونی بن کر رہ گیا اور

امریکی غلامی کا طوق ہمارے گلے میں پڑ گیا جو نہ جانے کب تک رہے گا۔ 16 اکتوبر 1958ء میں جنرل ایوب خان نے مارشل لا لگا کر آئین کو آمریت کے بوٹوں تلے روند کر آئین شکنی کا آغاز کر دیا۔ وہ دن اور آج کا دن بدقسمت قوم کو جمہوری عمل کے تسلسل کا موقع ہی نہیں ملا۔ وقفے وقفے سے جمہوری عمل کو ڈی ریل کر کے آمریت نے پنجے گاڑے۔ ہر ایک آمر نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے سیاسی جماعتوں کی توڑ پھوڑ کر کے من مرضی کے گروپ بنا کر جمہوریت میں پیوندکاری کی جس سے غیر جمہوری قوتوں کو کھل کر کھیلنے کے مواقع ملے اور 1971ء میں تو ملک ہی دولخت ہو گیا۔ ملک ایک بڑی طاقت کا غلام بن چکا اور معیشت تباہ ہو کر رہ گئی۔ پاکستان کی نااہل قیادت اور اندرونی سیاسی خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے آلہ کار عالمی مالیاتی ادارے نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ہمارے حکمرانوں کو ہمیشہ اقتدار میں رہنے کا چکمہ دے کر پھنسایا اور اپنی شرائط کے ساتھ قرض فراہمی کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ سودی قرض وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی رہا ہے، حتیٰ کہ اب ملکی قرض پر سود کی رقم لوٹانے کیلئے بھی رقوم اور سودی قرضے پر لینا پڑتی ہے۔ استحصالی قوتوں کا فرنٹ مین عالمی مالیاتی ادارہ IMF کیا ہے؟ اس ادارے کی اصلیت اور حقیقت بارے امریکی ماہر معاشیات، سی آئی اے اور اس ادارے کے سابقہ اہل کار کی لکھی کتاب ہماری آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہیں۔ اللہ کرے ہمارے مقتدر طبقات کو ہوش آ جائے اور قوم کو مزید قرض لینے سے نجات مل سکے۔

"Confessions of an Economic Hit Man " is a semi-autobiographical book written by John Perkins, first published in 2004.. According to Perkins, his job at the firm was to convince leaders of underdeveloped countries to accept substantial development loans for large construction and engineering projects. Ensuring that these projects were contracted to U.S. companies, such loans provided political influence for the US and access to natural resources for American companies. thus primarily helping local elites and wealthy families, rather than the poor. The book heavily criticizes U.S. foreign policy and the notion that "all economic growth benefits humankind, and that the greater the growth, the

more widespread the benefits. Perkins suggests that, in many cases, only a small portion of the population benefits at the expense of the rest, pointing to, as an example, an increase in income inequality, whereby large U.S. corporations exploit cheap labor, and oil companies destroy local environments. Perkins describes what he calls a system of corporatocracy and greed as the driving forces behind establishing the United States as a global empire, in which he took a role as an "economic hit man" to expand its influence. In this capacity, Perkins recounts his meetings with some prominent individuals, including Graham Greene and Omar Torrijos. Perkins describes the role of an economic hit man as follows; Economic hit men (EHMs) are highly paid professionals who cheat countries around the globe out of trillions of dollars. They funnel money from the World Ba nk, the U.S. Agency for International Development (USAID), and other foreign "aid" organizations into the coffers of huge corporations and the pockets of a few wealthy families who control the planet's natural resources. Their tools included fraudulent financial reports, rigged elections, payoffs, extortion, sex, and murder. They play a game as old as empire, but one that has taken on new and terrifying dimensions during this time of globalization..

جان پرکنز کی کتاب پہلی بار 2004ء میں شائع ہوئی۔ پرکنز کے مطابق، فرم میں ان کا کام پسماندہ ممالک کے رہنماؤں کو بڑے تعمیراتی اور انجینئرنگ منصوبوں کے لیے خاطر خواہ ترقیاتی قرضے قبول کرنے پر راضی کرنا تھا، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ ان منصوبوں کا امریکی کمپنیوں سے معاہدہ کیا گیا تھا، اس طرح کے قرضوں نے امریکہ کے لیے سیاسی اثر و رسوخ اور امریکی کمپنیوں کے لیے قدرتی وسائل تک رسائی فراہم کی۔ اسی طرح بنیادی طور پر غریبوں کی بجائے مقامی اشرافیہ اور امیر خاندانوں کی مدد کرنا۔ کتاب امریکی خارجہ پالیسی اور اس تصور پر سخت تنقید کرتی ہے کہ تمام اقتصادی ترقی سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچتا ہے اور یہ کہ ترقی جتنی زیادہ

ہوگی، اتنے ہی وسیع فوائد ہیں۔ پرکنز تجویز کرتے ہیں کہ بہت سے معاملات میں، آبادی کا صرف ایک چھوٹا حصہ باقی آبادی کی قیمت پر فائدہ اٹھاتا ہے، مثال کے طور پر، آمدنی میں عدم مساوات میں اضافہ، جس کے نتیجے میں بڑی امریکی کارپوریشنیں سستی مزدوری کا استحصال کرتی ہیں، اور تیل کمپنیاں مقامی ماحول کو تباہ کرتی ہیں۔ پرکنز بیان کرتا ہے کہ وہ کارپوریٹوکیسی اور لالچ کے نظام کو ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ایک عالمی سلطنت کے طور پر قائم کرنے کے پیچھے متحرک قوتوں کے طور پر کہتا ہے، جس میں اس نے اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے لیے ایک 'معاشی متاثر آدمی' کے طور پر کردار ادا کیا۔ اس میں، پرکنز نے ''گراہم گرین'' اور ''عمر توریجوس'' سمیت کچھ نمایاں افراد کے ساتھ اپنی ملاقاتیں بیان کیں۔ پرکنز نے معاشی طور پر متاثر ہونے والے آدمی کے کردار کو اس طرح بیان کیا ہے: اکنامک ہٹ مین (EHMs) بہت زیادہ معاوضہ لینے والے پیشہ ور ہیں جو دنیا بھر کے ممالک کو کھربوں ڈالر میں دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ ورلڈ بینک، یو ایس ایجنسی فار انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ (USAID) اور دیگر غیر ملکی 'امدادی' تنظیموں سے پیسہ بڑی بڑی کارپوریشنوں اور چند امیر خاندانوں کی جیبوں میں ڈالتے ہیں جو کرہ ارض کے قدرتی وسائل کو کنٹرول کرتے ہیں۔ ان کے آلات میں جعلی مالیاتی رپورٹیں، دھاندلی زدہ انتخابات، ادائیگیاں، بھتہ خوری، جنسی تعلقات اور قتل شامل تھے۔ وہ سلطنت کی طرح پرانا کھیل کھیلتے ہیں، لیکن ایک ایسا کھیل جس نے عالمگیریت کے اس دور میں نئی اور خوفناک جہتیں اختیار کی ہیں۔

ایسے ہوشربا انکشافات کے باوجود ہمارے حکمرانوں کے IMF سے قرض لینے سے لگتا ہے پاکستانی مقتدر طبقات امریکی غلامی کا طوق اتارنا ہی نہیں چاہتے۔ اس لئے وہ آنکھیں بند کر کے بڑی طاقت کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ تاہم قوم کو حقیقی آزادی دلانے کے لیے کسی مردِ مجاہد کو آگے آ کر ہمیں امریکی استعمار کی ابدی غلامی کے طوق کو اتارنے کے لیے عملی جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا۔ تاکہ قوم کو آئے روز دنیا سے قرض کی بھیک مانگنے ایسی لعنت سے نجات مل سکے۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

پاکستانی تاریخ میں سب سے پہلے 1958ء میں پہلے ڈکٹیٹر جنرل محمد ایوب خان کے

دور میں آئی ایم ایف سے 0.03 ارب ڈالر قرض لینے کا آغاز ہوا جو مختلف ادوار سے گزرتا ہوا پی ڈی ایم کی حکومت کے دور تک آ پہنچا۔ جسے نو دس مہینوں کے منت ترلے کے بعد ان کی حکومت ختم ہونے سے چند روز قبل 3 ارب ڈالر کا قرض ملا جس میں سے 1.2 ارب ڈالر کی پہلی قسط ملنے پر پی ڈی ایم حکوت کے زعماء نے بھنگڑے ڈالے اور مٹھائیاں بانٹیں۔ IMF نے جن کڑی شرائط پر قرض فراہم کیا ہے ان میں چیدہ چیدہ یہ ہیں۔ بجلی، گیس کی قیمت بڑھانا، زراعت وتعمیرات پر ٹیکس میں اضافہ، تنخواہوں اور پنشن کے اخراجات میں کمی، حکومت سٹیٹ بینک سے مزید کوئی قرض نہیں لے گی۔ توانائی کے شعبے میں سبسڈی کا مرحلہ وار خاتمہ کیا جائے گا۔ دیگر کرنسیوں میں کاروبار کو ختم کرنے کی بھی شرط، ٹیکسوں میں کئی گنا اضافہ۔ اس کے علاوہ دیگر کئی شرائط ہیں جو مہنگائی میں اضافے کا باعث بن چکی ہیں۔ آئی ایم ایف سے طے شدہ اہداف پر سختی سے عمل درآمد کرنا ہوگا اور آئی ایم ایف کو بروقت ڈیٹا فراہم کیا جائے گا۔ ہر قسم کی سبسڈی کے خاتمے سے پٹرول، ڈیزل، گیس اور بجلی کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے سے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ تاہم پاکستان عالمی مالیاتی ادارے کی تمام تر شرائط پر عمل پیرا ہے۔

سٹیٹ بینک کی رپورٹ برائے جون 2023ء کے مطابق پاکستان کا کل واجب الادا قرض بمع سود 72.4 کھرب روپے ہے، جو ہمارے GDP کا تقریباً 90% ہے جبکہ بیرونی قرض 140 ارب ڈالر تک جا پہنچا ہے جس میں سے 5 کھرب روپے اندرونی اور 22 کھرب روپے بیرونی قرض ہے۔ اس کے ساتھ چین 17 ارب ڈالر، پیرس کلب 11 ارب ڈالر، ملٹی روٹری ڈونرز 33 ارب ڈالر، آئی ایم ایف 10 ارب ڈالر بھی واجب الادا ہیں۔ علاوہ ازیں پاکستان سعودی عرب، یو اے ای، یورپی یونین، امریکہ برطانیہ اور قطر کا بھی مقروض ہے۔ 12 ارب ڈالر سکوک اور یورو بانڈز کی مد میں بھی واجب الادا ہیں پاکستان کو اپریل 2023ء تا جون 2026ء کے درمیان عالمی اداروں کو 75.5 ارب ڈالر قرض بمع سود ادا کرنا ہے۔ اور آئندہ تین سال میں 75 ارب ڈالر کی ادائیگی کا مرحلہ مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ معلوم نہیں سیاسی عدم استحکام کی بدترین صورت حال کے باعث کمزور، ڈنگ ٹپاؤ حکومتیں یہ قرضہ بمع سود بروقت ادا بھی کر سکیں گی یا نہیں۔ ملک کو دیوالیہ ہونے کے خطرے سے بچانے کا بڑا پروپیگنڈہ کیا گیا جبکہ وہ

خطرہ ابھی تک سر پر منڈلا رہا ہے۔ خود انحصاری کی پالیسیاں اپنانے کی بجائے قرض پر قرض لیکر ہر حکمران نے پاکستانی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ملک کو ترقی یافتہ بنانے کا دعویٰ کیا مگر سود پر لئے گئے قرضوں کا زیادہ حصہ اپنی عیاشیوں اور فضول خرچیوں پر اڑا دیا، یا کرپشن کی نذر ہو گیا اور حکومتی شخصیات نے مل بیٹھ مقروض قوم کا سرمایہ بادشاہوں کی طرح اڑا لیا۔ قرض چکانے کیلئے خزانے میں پھوٹی کوڑی تک نہ ہے بلکہ نوبت این جا رسید کہ نیا سودی قرض لیکر پرانے قرضے اتارے جاتے ہیں۔ پاکستان کی معیشت کی تباہی و بربادی سودی نظام اپنانے کا نتیجہ ہے۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’اگر تم سود نہیں چھوڑتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ‘‘ (البقرہ:278)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور ہم پر رحم کرے۔

قرض کی پیتے تھے مئے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

بڑھتے ہوئے قرضوں سے مخدوش صورت حال کے پیش نظر یہ توقع کی جا رہی تھی کہ حکمران طبقہ ماضی سے سبق سیکھتا اور عالمی مالیاتی ادارے IMF سے نجات اور خود انحصاری کی پالیسیاں اپنانے کے لئے اہم انقلابی اقدامات کرتا تاکہ قوم کو قرضوں سے نجات مل سکے مگر ایسا نہ ہوا بلکہ انھوں نے قوم کو مزید قرضوں میں جکڑ دیا۔ کرپشن کے سنگین ترین الزامات پر سابقہ ادوار میں اعلیٰ حکومتی عہدیداروں کو سزائیں دی گئیں مگر بعد ازاں حکومت میں بیٹھے بڑے بڑے ملزمان نے خود ساختہ ترامیم کر کے اور فرینڈلی احتساب کر کے سزاؤں پر عمل درآمد روک کر اپنے آپ کو بری کروا لیا ہے۔ ایسے قانون وانصاف سے عوامی اعتماد کو ٹھیس پہنچی جو نظام عدل پر سوالیہ نشان ہے۔ بدقسمتی سے ہر ایک حکمران نے اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے من مرضی کے من پسند سیاسی جتھے اور گروپ تشکیل دیئے اور ملک کو سیاسی افراتفری میں دھکیلنا شروع کیا۔ مفاد پرست عناصر نے نظریاتی سیاست کی بجائے آمریت کی گود میں بیٹھ کر اقتدار کے مزے لوٹنے کو ترجیح دی اور ایسے نااہل مفاد پرست حکمران ملکی اقتدار پر قابض ہو گئے جو اخلاقیات سے عاری تھے اور ان کا اپنا کوئی وژن ہی نہ تھا بلکہ وہ اقتدار کیلئے ایک بڑی طاقت کے آلہ کار بن کر اس کی جنبش ابرو کے منتظر نظر آئے جو ملک کی نظریاتی اور معاشی صورت حال کو بہتر بنانے کا ادراک ہی نہیں رکھتے تھے۔

ہوس زر اور ہوس اقتدار میں مبتلا ان عناصر نے مذہبی، لسانی اور صوبائی تعصب کو ہوا دیکر ایسے جتھے تشکیل دیے جو ہر حال میں اقتدار پر قابض رہنے کے لئے تیار رہتے۔ اس طرح دن رات پارٹیاں بدل کر اقتدار حاصل کرنے والوں کی موجیں لگ گئیں۔ ملکی وسائل کی لوٹ مار کا سلسلہ دراز ہوتا رہا اور منتخب ممبران پارلیمنٹ کی کھلے عام منڈیاں لگیں نظریاتی سیاست دفن ہو کر رہ گئی۔ ماہ مارچ 2022ء میں پی ڈی ایم حکومت کی تشکیل میں فلور کراسنگ کے ذریعے ایسی مثالیں قائم کی گئیں جس کی ملکی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ ایک مقتدر جماعت کے ممبران کو توڑ کر فرینڈلی اپوزیشن بنائی گئی۔ ممبران نے فرینڈلی اپوزیشن کا کردار نبھانے کے عوض ڈھیروں مراعات لیں۔ کیا طرفہ تماشہ ہے کہ آدھے سے زیادہ ممبران اسمبلی مستعفی ہو گئے مگر اسمبلی کے باقی آدھے ممبران ہی پارلیمنٹ میں قوانین سازی کرتے رہے ان میں سے اکثریت نے عہدوں کی بندر بانٹ کر کے سولہ مہینے تک حکومت کی۔ حکمرانوں نے سپریم کورٹ کے حکم کے باوجود دو صوبائی اسمبلیوں کے مقررہ مدت میں الیکشن نہ کروا کر آئین شکنی کی۔ جس پر اعلیٰ عدلیہ بھی خاموش نظر آئی۔ آئین شکنی کی ایسی مثالیں قائم کی گئیں جس کی ملکی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی ہے اور پوری دنیا ہماری حکومت اور عدالتی نظام کا تمسخر اڑا رہی ہے۔ حکومت ختم ہونے کے بعد اس میں شامل بعض شخصیات اس پارلیمنٹ کو جس کا وہ حصہ رہے ہیں، بدترین پارلیمنٹ کے خطاب سے نواز رہے ہیں۔ اسمبلیاں تحلیل ہو چکی ہیں اور نئے عام انتخابات کا اعلان ہو چکا ہے مگر عوام میں نئے الیکشن بارے چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کہ پتہ نہیں الیکشن ہوں گے یا نہیں۔ ملک میں اس تاثر کو ختم کرنا ضروری ہے۔ عوام کو صاف شفاف الیکشن کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کرنے کے حق سے محروم رکھنے سے ملکی سالمیت کو پہلے بہت نقصان ہو چکا ہے۔ ایک مقروض ملک مزید کسی بھی قسم کی مہم جوئی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مقتدر قوتیں ملکی بقاء اور سالمیت کو برقرار رکھنے کیلئے اپنا اہم کردار ادا کریں۔ کیونکہ اسلام دشمن قوتیں اس واحد ایٹمی قوت اسلامی ملک کو نقصان پہنچانے کیلئے سرگرم نظر آتے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ (ﷺ) است

عبد اللہ ابراھیم

1 اُمّہات المومنین، اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق بل صدر کی طرف سے اعتراض لگا کر واپس

ماہِ اگست میں مذکورہ بالا بل کا بڑا غلغلہ رہا اور قومی اسمبلی کی مدت ختم ہونے سے پہلے اس بل کو سینٹ سے بھی پاس کر لیا گیا اور یہی بات اس کو شہ سرخیوں میں لے آئی۔ پاکستان پینل کوڈ جو کہ بنیادی طور پر 1860ء کا نافذ کردہ قانون ہے، اس میں پہلے ہی شق 298اے موجود ہے جس میں ان حضرات کی توہین پر 3 سال قید اور جرمانہ یا دونوں کی سزا ہے۔ متعلقہ طریق کار میں یہ قابل ضمانت جرم ہے۔ 17 جنوری 2023ء میں قومی اسمبلی نے اس میں ترمیمات منظور کیں جس کے تحت سزا کو عمر قید/ کم از کم 10 سال قید اور جرم کو ناقابل ضمانت قرار دیا گیا۔ یہ بل مولانا عبدالاکبر چترالی نے پیش کیا اور اس کے متعلق دلائل میں لکھا کہ عام آدمی کی توہین پر 5 سال سزا ہے تو ان عظیم ہستیوں کی توہین پر سزا زیادہ اور سخت پر ہونی چاہیے تاکہ اس جرم سے لوگ باز رہیں۔ 7 اگست کو سینٹ سے بھی یہ بل منظور ہو گیا جہاں اسے سینیٹر مشتاق نے پیش کیا۔ 9 اگست کو صدر عارف علوی نے اس کو اعتراضات لگا کر واپس/ مسترد کر دیا کہ اس پر مناسب غور نہیں کیا گیا اور اس سے لوگوں کے حقوق متاثر ہوں گے۔ شیعہ حضرات کے کچھ سرکردہ لوگوں نے اس کی مخالفت میں دھمکی آمیز بیان دیے اور کچھ اہل سنت حضرات نے بھی اس سے فتح اور یومِ تشکّر کا غلط

تاثر دیا جس سے معاملہ اختلافی اور مقابلہ بازی کا سا ہو گیا۔ حالانکہ ابھی صدر کی منظوری باقی تھی اور صدر صاحب نے اس بہت مناسب بل کو اعتراضات لگا کر واپس کر کے کافی زیادتی کا ثبوت دیا اور اس طرح ایک اچھا اقدام بظاہر آخری مرحلے تک آ کر دوبارہ صفر ہو گیا ہے۔

2 پاکستان کی سیاسی صورتحال

پاکستان میں اسمبلیاں اپنی مدت سے چند دن پہلے تحلیل کر دی گئی ہیں اور نگران حکومت نے معاملات سنبھال لیے ہیں۔ بطور وزیراعظم انوار الحق کاکڑ کا نام کافی غیر متوقع تھا۔ اگرچہ ملک میں موجودہ مقتدرہ کی پالیسیاں کافی واضح ہیں مگر عدلیہ ابھی اپنے پرانے بہاؤ پر چل رہی ہے۔ اسمبلی کی مدت ختم ہوتے ہی عدلیہ نے بھی سپریم کورٹ کے متعلق اسمبلی کے قانون کو کالعدم قرار دے دیا۔ اس فیصلہ کو محفوظ رکھا گیا تھا اور اسمبلی کی مدت ختم ہوتے ہی اس کی منسوخی کا اعلان ظاہر کرتا ہے کہ ابھی چیف جسٹس اپنی ریٹائرمنٹ یعنی مہینہ بھر تک اپنی کوششیں جاری رکھیں گے۔ نگران حکومت میں سب کو مناسب نمائندگی دی گئی ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ یہ شاید 90 دن سے زیادہ رہیں۔ پھر جاتے جاتے حکومت نئی مردم شماری کو منظور کر کے گئی ہے جس سے انتخابات آگے لے جانا آسان ہو گیا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ مقتدرہ، انتخابات کے بعد جو منظر نامہ چاہتی ہے وہ پی ڈی ایم نے مکمل قبول نہیں کیا لہٰذا انتخابات 90 دن میں ہونا مشکوک ہے۔

ادھر پی ٹی آئی کی مشکلات جاری ہیں۔ تاہم مقتدر قوتیں ان کی عوامی حمایت کو غالباً جلد ہی غیر متعلق کر دیں گی۔ جیسا کہ 2018ء میں مسلم لیگ ن کے ساتھ کیا گیا اور پاکستان کے معاملات ایسے ہی دائرے میں چلتے رہیں گے۔

دائرہ دار ہی تو ہیں عشق کے راستے تمام
راہ بدل رہے ہیں آپ، آپ بہت عجیب ہیں

3 پاکستان کی معاشی صورتحال

آئی ایم ایف سے معاہدے کے بعد صورتحال معاشی طور پر بہتر ہوئی تو ہے مگر ہم اس قدر جکڑ لیے گئے ہیں کہ اگر آئی ایم ایف ہمیں کہے کہ چھلانگ لگاؤ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ کیوں؟____ بلکہ محض یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کتنی اونچی؟۔

پھر گزشتہ حکومت نے آخری ماہ میں مقتدرہ کی مدد سے کچھ بہتر سوچ رکھی تو تھی مگر پاکستان کے مسائل گھمبیر ہیں اور طویل مدتی کوششوں کے متقاضی ہیں۔ ستم بالائے ستم کہ ان دنوں میں عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافہ ہوگیا اور اگست میں ہی پاکستان میں تیل تقریباً 35 روپے لیٹر بڑھ گیا ہے۔ ادھر ڈالر بھی 10 روپے بڑھ کر 21 اگست کو 297 روپے کا ہوگیا ہے یعنی مہنگائی کا ایک نیا سلسلہ چلے گا اور نگران حکومت کو چونکہ عوامی حمایت کی بیڑیاں نہیں ہیں لہٰذا یہ شاہ سے زیادہ شاہ کی وفادار بنے گی اور معاشی صورتحال مشکل تر ہو جائے گی۔

4 سندھ میں سرکاری سکولوں میں موسیقی کے اساتذہ کا تقرر

پاکستان میں موسیقی اس سے پہلے امیروں کے نجی سکولوں میں ہی پڑھائی جاتی تھی اور سرکاری سکول اس غیر اسلامی تعلیم سے بچے ہوئے تھے۔ مگر نومبر 2022ء میں سندھ حکومت نے ہائی سکولوں میں موسیقی کو پڑھانے اور میوزک کے اساتذہ کی تعیناتی کا اعلان کیا اور اس کا ذکر فاتحانہ انداز میں سندھ کی ثقافت کی ترویج کے طور پر کیا۔ اگست میں تعیناتی کا مرحلہ مکمل ہوا اور اب ان اساتذہ کو اعلان کردہ سکول میں ملازمت کے خطوط دے دیے گئے ہیں۔ یہ اقدام ملک میں اسلام کے مطابق زندگی گزارنے والوں کے لئے ایک اور شکست ہے اور اس پر زیادہ مزاحمت بھی نہیں ہوسکی۔ بس دجالی دور کا دباؤ ہے اور ہم میں سے ہر ایک کی زندگی آہستہ آہستہ نیکی سے خالی اور آلودہ ہوتی جا رہی ہے۔

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

5 جڑانوالہ میں توہین قرآن اور عیسائی گھروں اور گرجا گھروں پر حملے

16 اگست کو پنجاب کے شہر جڑانوالہ میں پہلے توہین قرآن کا معاملہ منظر عام پر آیا اور پھر اس دن تقریباً 19 چرچ اور کئی درجن گھروں کو جلا دیا گیا۔ مسلمان اسلامی شعائر اور نبی کریم ﷺ سے محبت رکھتے ہیں اور یہ اس گئے گزرے دور میں بھی ان کا بڑا اہم اثاثہ ہے۔ دشمنانِ اسلام اس محبت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور اس حساسیت کو زائل کرنے کے لئے ایسے اقدامات کرواتے رہتے ہیں پھر وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اس محبت میں ایسے اقدامات کریں جن کا دفاع

دینی اور اخلاقی بنیادوں پر ممکن نہ ہو، تا کہ زیادہ تر مسلمان بھی اس کے خلاف ہو جائیں۔ اس واقعہ میں ردعمل دینے سے پہلے مناسب تحقیق نہیں کی گئی اور پھر دو افراد کی مبینہ توہین پر عیسائیوں کے گرجے اور گھر جلانا درست اقدام نہیں ہے۔ اگر اس واقعے میں عیسائیوں کو جان بوجھ کر ملوث کیا گیا ہے تو ایسا کرنے والوں پر جھوٹے الزام کے تحت سزا ہونی چاہئے۔ حکومت کو بھی چاہئے کہ اگر دینی شعائر کی توہین جیسے الزام ثابت ہوں تو لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دے اور مغربی ردعمل سے ڈر کر فیصلے نہ کرے۔

آج کل سوشل میڈیا پر طرح طرح کی آرا آ رہی ہیں۔ اگر مسلمان علماء ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائیں اور ان میں عیسائی حضرات کو بھی شامل کریں اور پھر اس کی رپورٹ کو شائع کیا جائے تو اصل حقیقت سامنے آ سکتی ہے۔ ہمیں یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہمارے غلط اقدامات دنیا میں لوگوں کے دین اسلام سے دوری کا سبب بن سکتے ہیں۔

6 صدر عارف علوی کی جانب سے اپنے عملے پر الزام اور کچھ قوانین پر تحفظات کا اظہار

20 اگست کو صدر پاکستان عارف علوی نے اپنے ذاتی ٹوئٹر اکاؤنٹ سے پیغام دیا کہ میں نے آفیشل سیکریٹ ترمیمی بل 2023ء اور پاکستان آرمی ترمیمی بل 2023ء پر دستخط نہیں کیے اور واپس بھیجنے کا کہا مگر عملے نے ایسا نہیں کیا اور مجھے غلط تاثر دیتے رہے اور اب وقت گزرنے پر یہ دونوں قانون بن گئے ہیں اور میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔

ملکی معاملات پر اکثر اوقات کی طرح اب بھی مقتدرہ کی گرفت مضبوط ہے ان دونوں قوانین میں ترمیم اسی مقصد کے لئے کی گئی تھی کہ سائفر کو افشا کرنے پر عمران خان اور ان کے ساتھیوں کو گھیرا جا سکے اور کسی نئے قانون کا کسی گذشتہ واقعہ پر اطلاق کرنا کبھی بھی پسندیدہ نہیں سمجھا گیا تاہم اس وقت ایسا ہی کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف عارف علوی صاحب کا موقف بھی ملکی مفاد کی بجائے اپنے تاثر کو قائم رکھنے پر ہے وہ ان اہم معاملات کو خود مقررہ وقت میں دیکھ سکتے تھے اور یہ پیغام مقررہ دنوں کے ختم ہونے سے پہلے بھی جاری کر سکتے تھے مگر جب نگران حکومت نے ان قوانین کے خود بخود نافذ ہونے کا اعلان کیا اور شاہ محمود قریشی گرفتار ہو گئے اور

اسد عمر کی گرفتاری کا خدشہ ہوا تو صدر نے یہ پیغام بھیج دیا۔ چونکہ صدر 9 ستمبر کو مدت پوری کر کے سبکدوش ہو جائیں گے لہٰذا وہ اپنی جماعت میں اپنی ہمدردی برقرار رکھنا چاہتے ہیں ورنہ اس سے بہتر حکمت عملی موجود تھی۔

7 افغانستان کی تازہ صورتحال

طالبان کی زیر قیادت افغان حکومت کو 15 اگست کو دو سال مکمل ہو گئے ہیں اور وہ نفاذِ شریعت کے ساتھ ساتھ معاشی ترقی کی طرف گامزن ہے اور بعض معاملات اتنی عمدہ طرح سے چلا رہی ہے کہ شاید ترقی میں افغانستان کچھ دہائیوں میں بھارت اور بنگلہ دیش کی طرح پاکستان سے آگے نکل جائے۔ سولر پینل بنانے کی فیکٹری نے پیداوار شروع کر دی ہے۔ تیل نکالنے کا عمل چینی کمپنی نے شروع کر دیا ہے اور افغانی کرنسی مستحکم ہے۔

19 جولائی کو پاکستان کے نمائندہ خصوصی آصف خان نے افغانستان کا دورہ کیا۔ اس سے پہلے پاکستانی سپہ سالار نے بیان دیا تھا کہ ٹی ٹی پی کو افغانستان سے مدد اور ٹھکانے مل رہے ہیں اور براہ راست افغانستان سے مذاکرات کی بات کی تھی۔ یہ دونوں ممالک میں تعلقات میں دراڑوں کی علامت ہے۔ بہرحال ملاقات میں افغان وزیر خارجہ امیر خان متقی نے یقین دلایا کہ افغان سرزمین کسی ہمسایہ ملک کے خلاف استعمال نہیں ہوگی۔

5 اگست کو افغان وزیر دفاع ملا یعقوب نے کہا کہ اگر کوئی افغانستان سے باہر جہاد کے لئے جائے گا تو اس کا عمل جہاد نہیں سمجھا جائے گا۔

دُعا

اُٹھا لے زر کی رنگینی فقیری کا ہنر دے دے
عطا کر جان لفظوں کو دُعاؤں میں اثر دے دے
ملائک ہم نے کیا کرنے ہمیں کوئی بشر دے دے
ترستی ہے یہ دنیا یا خدا کوئی عمرؓ دے دے

عابی مکھنوی

فرمودۂ اقبال

دکھا وہ حسنِ عالم سوز اپنی چشمِ پرنم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو، رلواتا ہے شبنم کو
نرا نظّارہ ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشمِ آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی، تعصّب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنّت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اُٹھا جذبۂ خورشید سے اک برگِ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنّا ہے کہ لے اُڑتی ہے شبنم کو
پھرا کرتے نہیں مجروحِ الفت فکرِ درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبّت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے

(بانگ درا، از نظم تصویرِ درد)

انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

کے

اغراض و مقاصد

- عربی زبان کی تعلیم و ترویج
- قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق
- علوم قرآنی کی نشر و اشاعت
- ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو قرآن مجید کی تعلیم و تعلّم کو اپنا مقصد زندگی بنا لیں

اور ایک ایسی

قرآن اکیڈمی

کا قیام جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے

اَلسَّعْیُ مِنَّا وَ الْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہ

Vol 17
CPL No: FD 30/07
HIKMAT-E-BAALGHA
SEPTEMBER 2023
No 09

فکرِ فاروقیؒ

ایک فرمان رسالت ﷺ کے مطابق اُمّت مُسلمہ ایک جسدِ واحد ہے، اس کے ایک حصّے میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسد بے چین و بے آرام ہو جاتا ہے اور اس متاثر حصے کو سکون (RELIEF) ملتا ہے تو سارا جسد (پوری امّت مُسلمہ) سکون محسوس کرتا ہے۔ دشمنوں کی باریک چالوں کی وجہ سے آج ہم کئی ممالک میں تقسیم ہیں اور 'اُمّت مُسلمہ' کے جسد واحد والے تصوّر سے عاری ہیں۔ امت مُسلمہ ایک جسد واحد کی مانند ہے، جیسے کسی ایک انسان کے جسد میں ہاتھ، پاؤں، سر، دل اور دماغ ہوتے ہیں اسی طرح امت مسلمہ کا جسد واحد ہے کہ اس میں مختلف ممالک میں کہیں افرادی قوت (یعنی کام کرنے والے ہاتھ) ہیں، کہیں ذہنی طور پر با صلاحیت تعلیم یافتہ افراد (دماغ) ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح جسد واحد میں انسانی لباس میں ایک یا ایک سے زائد جیبیں (POCKETS) ہوتی ہیں جہاں رقم (CASH) یا وسائل رکھے جاتے ہیں۔ جیب میں رقم ہو تو ہاتھ کی تکلیف پر یہ نہیں ہوتا کہ ہاتھ اپنے لیے خود بندوبست کرے یہ جیب کی رقم صرف 'جیب' کی ہے اور جیب پر ہی خرچ ہوگی، بلکہ جسد واحد کے تصور کے عین مطابق 'جیب کی رقم' سارے جسم کے لیے ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتی ہے۔ بعینہٖ ــــ امت مسلمہ کے ساٹھ مسلمان ممالک ہیں بعض ممالک افرادی قوت سے مالا مال ہیں، کچھ ممالک ہنرمندی اور ٹیکنالوجی میں آگے ہیں، کچھ ممالک دولت منداور متموّل ہیں اور پورے جسد ملّت کے لیے جیب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے وسائل پر تمام عالم اسلام اور اُمت مسلمہ کا حق ہے اور قرآنی احکام ﴿فِی اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ﴾ (25:70) (جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے کا اور محروم کا) کے مطابق عمل ضروری ہے۔ آج اُمت مسلمہ جن گوناگوں پریشانیوں سے گزر رہی ہے اس کا تقاضا ہے کہ امّت مسلمہ کو جسد واحد اور امّت مسلمہ کے وسائل کو عالم اسلام کے وسائل سمجھا جائے اور اجتماعی سوچ کو فروغ دینے کے اقدامات کیے جائیں۔ (حکمت بالغہ مئی 2015ء)